



”مجھے لگتا ہے کہ میری زندگی میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں ہے۔“

وہ آرام دہ کرسی پر بند آنکھوں کے ساتھ نیم دراز تھی۔ اس کے سادہ اور معصوم چہرے پر اذیت کی کئی لکیریں بن اور مٹ رہی تھیں۔ جو اس کے ذہنی انتشار کی علامت تھی۔ پرسکون کمرے کے ماحول میں بھی اس کی دھیمی آواز سرگوشی کی مانند تھی۔ وہ اسی طرح بولتی تھی۔ بہت آہستہ اور کمزور لہجے میں۔ اس کے لہجے، اس کی باتوں، اس کی یادوں میں کہیں بھی امید کا کوئی رنگ نہیں جھلکتا تھا۔ ایسا لگتا کہ اس کی زندگی میں صرف مایوسی ہے، بلیک اینڈ وائٹ یادیں ہیں۔ جن کا کوئی رنگ اس کے چہرے یا مستقبل پر نظر نہیں آتا تھا۔ سوائے ایک رنگ کے۔

ڈر کا سیاہ رنگ!! جو اس کے ذہن کے ایک گوشے سے نکل کر سارے جسم پر اپنا قبضہ جما چکا تھا مگر زندہ رہنے کی ایک مدہم خواہش، ڈر کے اس اندھیرے کو شکست دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے لیے اسے صبر آزما مرحلے سے گزرنا تھا۔

”میری شادی صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ایک پینتیس سال کے مرد سے کر دی گئی۔ اس لیے کہ میں بہت خوب صورت تھی یا شاید اس لیے کہ وہ شخص بہت امیر تھا۔ میں بھی نہیں جان سکی کہ میرے والدین نے میرا فرض ادا کیا یا میرا سودا طے کیا تھا؟“

اس کے لہجے میں ٹوٹے کاچ جیسی گرچیاں تھیں جو اس کی روح پر گر کر اسے ہی زخمی کر رہی تھیں۔ یہ خود اذیتی کا نجانے کون سا مقام تھا۔



”میری شادی ایک انجان اور امیر شخص سے کر کے، شاید انہوں نے اپنے بانی چار بچوں کا مستقبل محفوظ بنا لیا مگر کیا میرا کوئی مستقبل نہیں تھا؟ کیا بحیثیت انسان مجھے جینے کا، سانس لینے کا، خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔“

اس کی ڈاکٹر پچھلے کئی مہینوں سے یہ سب سن رہی تھی مگر پھر بھی وہ ہر بار اسے بولنے کا موقع فراہم کرتی کیونکہ یہ اس کے پیشے کا تقاضا تھا۔ وہ لڑکی اپنی رو میں بہت دور تک بہہ جاتی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ جب بولتے بولتے وہ تھک کر خاموش ہو گئی تو ڈاکٹر علیہ نے گہری سانس لی۔

”تم جانتی ہو! ہماری بہت سی تکلیفیں صرف وہاں تک ہی ہوتی ہیں جہاں تک ہم انہیں نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم ایک بار اپنی تکلیف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ لیں تو ہماری تکلیف کہیں کم ہو جائے۔“

ڈاکٹر علیہ کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح امید تھی۔ ”مگر مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔“ لڑکی کے لہجے میں خوف تھا۔

”اپنے ڈر کا سامنا کرنا سیکھو۔ بہت سے ڈر ایسے ہوتے ہیں جو منزل پر پہنچا دیتے ہیں۔“ ڈاکٹر علیہ نے کہا۔

”مگر میرے ڈر نے مجھ سے ہر منزل کا پتا چھین لیا ہے۔“ لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

”تم جانتی ہو تمہارا اصل مسئلہ کیا ہے؟“ ڈاکٹر علیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”میرا ڈر۔“ لڑکی نے ترنت جواب دیا۔

”نہیں!“ ڈاکٹر علیہ نے نفی میں سر ہلایا تو

لڑکی نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ جن میں حیرت کا سمندر موجزن تھا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”یہ آپ کہہ رہی ہیں؟ جو میرے بارے میں

سب کچھ جانتی ہیں؟“ لڑکی نے حیرت سے استفسار کیا۔

”اچھا، ایک بات کا جواب دو مگر پہلے یہاں

آؤ۔“

ڈاکٹر علیہ نے اسے اپنی میز کے پاس بلایا۔ لڑکی سر ہلائی ہوئی اُٹھی اور ڈاکٹر علیہ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

”اپنی آنکھیں بند کرو۔“

ڈاکٹر علیہ نے کہا تو لڑکی کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی مسکراہٹ ایسی تھی جیسے گھب اندھیرے میں کوئی جگنو چمکا ہو۔

”کیا ہم بچوں کی طرح آنکھ مچولی کھیلیں گے؟“ لڑکی نے طنز یہ کہا۔

”یقین کرو! اگر ہم بچوں کی طرح سے سوچنے اور عمل کرنے لگ جائیں تو ہماری آدھی سے زیادہ ذہنی بیماریاں اور دل کی بے چیدیاں ختم ہو جائیں۔“

ڈاکٹر علیہ نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہا تو اس نے سر ہلاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ ڈاکٹر علیہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر گول گھمایا اور پھر ایک جگہ روک دیا۔

”اپنی آنکھیں مت کھولنا! مجھے یہ بتاؤ کہ تم میرے کمرے کے کس رخ پر کھڑی ہو؟“

ڈاکٹر علیہ کے سوال پر لڑکی کے چہرے پر الجھن کا تاثر ابھرا تھا۔

”میں کیسے بتا سکتی ہوں؟“ لڑکی نے الجھ کر پوچھا۔

”کوشش کرو! تم پچھلے کئی مہینوں سے میرے کلینک میں آرہی ہو۔ اس کمرے کی ہر چیز کے بارے میں مکمل آگاہی رکھتی ہو۔ اچھا چلو کوشش تو کرو۔“ ڈاکٹر علیہ نے اسے الجھتے دیکھ کر کہا۔

”ہاں میں کوشش کرتی ہوں۔“ لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”شاید میں آرام دہ کرسی کے سامنے کھڑی ہوں کیونکہ مجھے اس کمرے میں سب سے زیادہ وہ ہی پسند ہے۔“ لڑکی نے جواب دیا۔

”نہیں!“ ڈاکٹر علیہ نے اطمینان سے کہا۔

”اچھا! پھر میں ضرور اس آرٹسٹ کی پینٹنگ

اندھیرے کمرے میں کہیں یہ موجود امید کی کھڑکی
کھول سکو، کیونکہ یہ کھڑکی ہی تمہیں نئی دنیا سے
متعارف کروائے گی۔“

”ڈاکٹر علیہ نے یقین سے کہا تو لڑکی نے کندھے اچکاتے ہوئے سر جھکا لیا جیسے یہ اس کے لیے بہت مشکل کام ہو۔

”اور مجھے یقین ہے کہ تم ضرور کامیاب ہوگی“

ڈاکٹر علینہ نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اگلے سیشن کا وقت طے کر کے وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆
”تم کہاں گئی تھیں؟“
اس نے اپنے پاس موجود اپارٹمنٹ کی چابی سے جیسے ہی بیرونی دروازہ کھولا، ایک کرخت مردانہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ بے خیالی میں اندر قدم رکھتی وہ ڈرگئی اور اس کے ہاتھ میں پکڑا شاپر نیچے گر گیا۔ جس میں مختلف کھانے پینے کی اشیاء تھیں۔
اس نے ڈرتے ڈرتے سامنے دیکھا۔ وہ لاؤنج میں موجود صوفے پر بیٹھا۔ وہ خاموشی سے لب کھینے لگی جب اس نے اس کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں کی سرد مہری پر وہ کانپ کر رہ گئی

”میں نے کچھ پوچھا ہے؟“

ہاتھ میں پکڑا ریموٹ پھینک کر وہ کھڑا ہوا تو اسے ایسے لگا جیسے اس کی جان نکل گئی ہے۔ وہ جلدی سے نیچے بیٹھی اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ گری ہوئی چیزیں اٹھانے لگی۔ اچانک اس کے ہاتھ رک گئے، وہ اپنے پاس آ کر رک کے کالے چمکتے جوتوں کو دیکھنے لگی

”پہلے دروازہ بند کرو۔“ اس نے حکم بھرے لہجے میں کہا۔

”ووو-ہ-ہ-ہ میں چیزیں اٹھا لوں!“ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ اس میں سر اٹھا کر دیکھنے کی

لڑکھاتی ہوئی وہ پہلے دروازے کے پاس گری چیزوں کی طرف گئی۔ بمشکل نیچے بیٹھ کر انہیں اٹھایا اور وہ وہ کانٹے ہاتھوں کے ساتھ اس کا من پسند فریش جوس تیار کرنے لگی۔ وہ افریشم کی نگرانی کرنے کے علاوہ، اپنی صحت اور فٹنس کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔

(آزد معنی باز ہونا یا ہتھیار باندھنا ہے)
آزد کے فریش ہو کر واپس آنے تک وہ جوس تیار کر کے خادم کی طرح ہاتھ باندھے جو کس کھڑی تھی۔ آزد نے ایک نظر اپنے خریدے غلام پر ڈالی اور ریموٹ اٹھا کر اسکرین روشن کی۔ جوس کے سب لیتے ہوئے اس نے اپنے دونوں پاؤں اٹھا کر سامنے والی میز پر رکھے اور ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ افریشم نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا اور قالین پر بیٹھ گئی۔ اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے اس کے سخت اور کھدرے پاؤں دبائے لگی۔ وہ زیر لب مسکراتا ہوا من پسند چینل دیکھنے لگا۔

☆☆☆

ڈور بیل بجی تو سنبل نے شکر ادا کرتے ہوئے جلدی سے دروازہ کھولا۔ سامنے اس کی قریبی دوست اقراء کھڑی مسکرا رہی تھی۔ دونوں گرم جوشی سے گال سے گال ملا کر گلے ملیں۔ سنبل اس کا خوب صورت ہاتھ تھام کر اسے گھر کے اندر لے گئی۔ اقراء انٹرنس سے لے کر ڈرائنگ روم تک ہر چیز کا بغور جائزہ لیتی رہی۔ دراصل اقراء کا تعلق اس کلاس سے تھا جو دولت کے بل بوتے پر دنیا کی ہر چیز خریدنے پر اندھا یقین رکھتے ہیں۔ نمود و نمائش کے دلدادہ اور نہایت سطحی سوچ کے مالک لوگ ہوتے ہیں۔ اقراء بھی ایسی ہی تھی۔ اقراء بہت نزاکت سے قیمتی صوفے پر بیٹھ گئی اور ایک ادا سے چائے کی ٹرائی لائی، سنبل کی ملازمہ کو دیکھا تھا۔

”تم نے گھر پہلے سے زیادہ اچھا سیٹ کر لیا ہے۔“ حسد کی شدید لہر سے مغلوب ہوتے ہوئے بمشکل اس نے یہ جملہ بولا تھا۔ سنبل دل سے مسکرائی۔ پچھلے

بھی ہمت نہیں تھی۔
”تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے؟“
وہ دبی آواز میں غرایا۔ اسے یہ خطرہ تھا کہ اس پاس کے موجود پارٹمنٹ میں سے کوئی باہر نہ نکل آئے اور ان میاں بیوی کی بحث دیکھ کر کوئی برا تاثر قائم کریں۔

”ج۔ج۔ی۔ی۔“
اس نے ٹوٹے لفظوں کے ساتھ کہا اور بوکھلاتے ہوئے، جلدی سے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔
”تم کہاں گئی تھی؟“ اس نے افریشم اپنا سوال دہرایا۔

”گھر میں کچھ چیزیں ختم تھیں بس وہ لینے قریبی مارٹ گئی تھی۔“ اس نے جلدی سے جواب دیا۔
”مجھ سے پوچھتے بغیر؟“ اگلا سوال اور بھی مشکل تھا۔ اس کا پتھر یلا ہوتا لہجہ افریشم کو بہت کچھ سمجھا چکا تھا۔
”میں نے فون کیا تھا مگر.....“

اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی اور سامنے والا کا زوردار پھٹراس کے نازک چہرے پر پڑا اور بچے کے نشان کے ساتھ ہی گال سوچ کر سرخ ہو گیا۔ تکلیف پر وہ بلبلانہ تھی۔

”آزد پلیز!“ آزد نے اپنی مٹھی میں اس کے ریشمی بال جکڑے تو افریشم تڑپ کر معافی مانگنے لگی۔
”اگلی بار مجھے بغیر بتائے گھر سے باہر قدم رکھا تو تمہارا وہ حال کروں گا کہ ساری زندگی یاد رکھوں گی۔“
اس نے نفرت سے کہا اور افریشم کو زور سے دھکا دیتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا قد تقریباً پانچ فٹ تین انچ تھا جبکہ افریشم کا قد پانچ فٹ سات انچ تھا۔ وہ چھوٹے قد کا مگر مضبوط جسامت کا مالک تھا۔ جبکہ اس کے برعکس افریشم اپنے نام کی طرح نرم و نازک تھی۔
”میں فریش ہونے جا رہا ہوں میرے آنے تک جوس ریڈی رکھو!“ آزد نے حکم دیا اور کمرے کی طرف چل پڑا۔

سو بے چہرے، پھٹے ہونٹ، بکھرے بالوں،

کچھ مہینوں سے وہ اپنے گھر کو سجانے میں بری طرح لپکان رہی تھی۔

”ابھی تو تم نے پورا گھر نہیں دیکھا! آرام سے چائے پی لو، پھر تمہیں اپنا گھر دکھائی ہوں۔“ سنبل نے پر جوش انداز میں کہا تو اقراء نے نزاکت سے اثبات میں سر ہلایا۔

”دراصل مجھے کوئی چیز بہت کم ہی پسند آتی ہے۔ تمہارے گھر کا انٹیریئر بہت اچھا ہے۔“ اقراء نے کہا تو سنبل تفصیل سے اسے بتانے لگی۔

”تمہارے گھر میں سب کچھ ہے مگر مجھے کسی مشہور آرٹسٹ کی کوئی پینٹنگ نظر نہیں آئی۔ لگتا ہے کہ تمہیں آرٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ اقراء نے کافی غور کرنے کے بعد ایک خامی پکڑ لی تھی۔ سنبل مسکرا دی۔

”میں نے کچھ اچھے آرٹسٹ کی پینٹنگ لی ہیں مگر وہ لاؤنج اور رابڈری میں لگی ہیں۔“ سنبل نے وضاحت کی تو اقراء نے سر ہلایا۔

چائے پینے کے بعد سنبل اسے گھر دکھانے لے گئی۔ گھر کو دیکھتے ہوئے ایک وال پر لگی تصویر دیکھ کر اقراء چونک گئی۔

”او مائی گاڈ! کتنی خوب صورت تصویر ہے تمہارے کپل کی۔“ اقراء نے توصیفی انداز میں تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ ضرور تمہاری ویڈنگ اینوہرسری کی ہے ناں!“ اقراء نے سر گھما کر پیچھے کھڑی سنبل کو دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اقراء نے حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جیسے اس کی ہنسی کی وجہ جاننا چاہ رہی ہو۔

”کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟“ اقراء نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

سنبل مسکرا کر آگے بڑھی اور تصویر کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

”کچھ دیر پہلے تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں آرٹ کی بہت پہچان ہے تو اب پہچانو۔“ سنبل کا انداز چیلنج

کرنے والا تھا۔ اقراء نے غور سے تصویر کو دیکھا، اس کے آس پاس دیکھا مگر اسے کوئی پینٹنگ نظر نہیں آئی۔ اقراء نے جھنجھلا کر ہار مانی تو سنبل کی گردن فخر سے اکر گئی۔

”یہ جسے تم تصویر کہہ رہی ہو دراصل یہ ہمارا پورٹریٹ ہے! جسے ایک مشہور آرٹسٹ نے بنایا ہے۔“ سنبل نے اطمینان سے کہا۔

”واٹ؟“ اقراء نے حیرت سے کہا اور تیزی سے پاس آ کر دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھنے لگی۔

”نا قابل یقین! اتنی صفائی ہے اس آرٹسٹ کے ہاتھ میں۔ مجھے اس کا نمبر چاہیے۔ ابھی فوراً۔“

اقراء کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک منٹ میں اس آرٹسٹ کو اسنے سامنے حاضر کر کے ایسا ہی ایک پورٹریٹ بنوالے۔ سنبل نے جلدی سے کہا۔

”صبر کرو! اس آرٹسٹ تک رسائی اتنی آسان مت سمجھو۔ یہ تو بلال کی واقفیت تھی اس لیے اس آرٹسٹ نے ہمیں یہ پورٹریٹ بنا دیا۔ ورنہ وہ کسی کی نہیں سنتا۔“ سنبل نے تفصیل سے بتایا۔

”تم ان باتوں کو رہنے دو۔ آج کل کون ہے جس پر پیسے کا جادو نہیں چلتا ہے۔“ اقراء نے منہ بنا کر کہا۔

”اور یہ دو ٹکے کے آرٹسٹ! تھوڑا سا پیسہ دکھاؤ، اپنا ہنر آپ کے قدموں میں رکھ دیں گے۔“

اقراء نے تکبر سے کہا تو سنبل نے نفی میں سر ہلایا۔

”اگر تمہاری یہ سوچ ہے تو پھر تمہیں بہت مایوسی ہوگی۔“

سنبل نے اسے وارن کیا مگر اقراء کسی کی سننے اور سمجھنے والوں میں سے نہیں تھی۔ وہ بضد رہی تو مجبوراً سنبل نے اسے ایک نمبر لکھوایا۔ اقراء نے جلدی سے نمبر اپنے موبائل میں لکھا۔

”نام؟“ اقراء نے جیکھی نظر سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”عمر ہاشم!“ سنبل نے اطمینان سے جواب دیا

تو اقراء نے اس کا نام اور نمبر سیو کر لیا۔
کچھ دیر کے بعد اقراء وہاں سے چلی گئی تو سنبل
نے سکھ کا سانس لیا۔ اقراء ان لوگوں میں سے تھی جو
کچھ دیر ہی برداشت ہوتے ہیں۔ اگر اقراء کا اسٹینس
اتنا اچھا نہ ہوتا تو سنبل اس جیسی بد دماغ اور حاسد
عورت کو کچھ دیر بھی برداشت نہیں کرتی۔

☆☆☆

دہائی میں ان دنوں موسم کی خوب صورتی پر عروج
پر تھی۔ سارا دن صحراؤں کی پیش سے چلتا شہر شام
ہوتے ہی پرسکون ہو جاتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا میں اور اکثر
ہونے والی بارشوں نے لوگوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ
اپنے گھروں سے باہر نکل کر شہر کی خاک چھائیں۔ وہ
ہر روز اپنے اسٹوڈیو سے کچھ دور واقع ایک خوب
صورت پارک میں اپنا کینوس، برشز اور پیلٹ
اٹھائے چلا آتا اور ایک مخصوص پرسکون جگہ پر پینٹنگ
اسٹینڈ پر لگا کر کام کرنے کی کوشش کرتا مگر اس سب
کے باوجود وہ اپنی بنائی پینٹنگ سے مطمئن نہیں ہو رہا
تھا۔ اس کا ہر اسٹروک دن بہ دن اضطراب کے رنگ
میں ڈوب رہا تھا۔ اس دن بھی وہ اپنی پینٹنگ کے
ساتھ سرکپا رہا تھا جب اس کے موبائل پر کال آنے
لگی۔ اس نے موبائل اسکرین پر جگمگا تا نمبر دیکھا۔
اس کے آگنا ناز کا فون تھا۔

”یس عمر ہاشم!“ اس نے اپنے مخصوص گبیہر
لہجے میں کہا۔ اس کے وجیہ چہرے پر سنجیدگی تھی۔
بلیک جینز پر اس نے ٹی شرٹ بھی ہاف سیلیوز کی بلیک
پہنتی ہوئی تھی۔ مضبوط ہاتھوں پر موجود گنے بالوں میں
بھی اس کا سفید رنگ واضح تھا۔ دائیں ہاتھ میں خوب
صورت اور مہنگی گھڑی موجود تھی۔ ہاتھوں کی انگلیاں
لمبی اور ناخن تراشے ہوئے تھے۔ چہرے کا رنگ
صاف بلکہ سرخی مائل تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں
میں اپنی ذات کے زعم اور گہرائی کے کئی رنگ موجود
تھے یعنی کہ وہ بہت جلد کسی کو اپنی ذات تک رسائی نہیں
دیتا تھا۔ قد چھ فٹ دو انچ۔ کسرتی جسم کا مالک عمر
ہاشم کسی مووی سٹار سے کم ہرگز نہیں لگتا تھا۔

عمر ہاشم اپنی پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے آگنا ناز
کی بات سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سوچ کی
پر چھائی واضح تھی۔
”نمائش کی تاریخ آگے نہیں ہوگی۔ میں مقررہ
وقت پر کام مکمل کر کے آرٹ گیلری بھیج دوں گا۔“ عمر
ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔

”دیکھیں مولن صاحب! میں کسی کی خاطر اپنی
سولوا ایگزیشن کی تاریخ نہ تو آگے کر سکتا ہوں اور نہ
پیچھے۔ اگر آپ کے کلائنٹ دلچسپی رکھتے ہیں تو انہیں
طے شدہ تاریخ بتادیں۔“ عمر ہاشم نے سختی سے کہا۔ شو
آگنا ناز کی خواہش تھی کہ عمر ہاشم کی سولوا ایگزیشن کی
تاریخ آگے کر دی جائے مگر عمر ہاشم اس بات کے لیے
تیار نہیں تھا۔ کچھ دیر تک آگنا ناز سے بحث کرنے
کے بعد عمر ہاشم نے فون بند کر دیا۔ اس کے اعصاب
پر پہلے ہی اس پینٹنگ کا بوجھ موجود تھا، اوپر سے
آگنا ناز سے ہونی بحث۔ اس کا موڈ سخت خراب ہو
گیا۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرنے
کی کوشش کی اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر نٹس
چاکلیٹ نکالی۔ یہ اس کی پسندیدہ چاکلیٹ تھی۔

چاکلیٹ کی چھوٹی چھوٹی ہاتھس کے ساتھ وہ
پینٹنگ میں مزید بہتری لانے کا سوچ رہا تھا جب کوئی
اس کے پاس آ کر کھنکارا۔ عمر ہاشم نے فوراً پلٹ کر
دیکھا۔ اس کے سامنے لانگ اسکرٹ اور شرٹ میں
ملبوس، گلے میں پھول دار اسکارف پہنے، بے ترتیب
بالوں، کندھے پر بڑا سا بیگ اور گھبرائے ہوئے
چہرے کی مالک ایک لڑکی کھڑی تھی۔ پہلی نظر میں عمر
ہاشم پر اس کا تاثر اچھا نہیں پڑا تھا۔ وہ لڑکی بات
کرنے کے لیے حوصلہ جمع کرتے ہوئے بار بار کچھ
کہتے ہوئے رک جاتی تھی۔ اس کے چہرے پہ ہلکا سا
پن واضح تھا۔

”یس؟“

عمر ہاشم نے سنجیدہ انداز میں پوچھا تو لڑکی اس
کی گہری کالی آنکھوں کو خود پر مرکوز دیکھ کر مزید کنفیوز
ہوئی۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ عمر

کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔

عمر ہاشم بہت دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر اپنے ہاتھ میں پکڑی پسندیدہ چاکلیٹ کو دیکھا۔ عمر ہاشم کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ کو اپنے ساتھ لائے سامان پر رکھی اور پینٹنگ کے پاس جا کر غور سے اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی کی بات کو ذہن میں دہراتے ہوئے اس نے دو رنگوں کو پلیٹ میں کس کیا اور پھر ہلکے ہاتھ سے اسٹروک لگانے لگا۔ بلاشبہ اس کام میں بہت مہارت اور وقت چاہیے ہوتا تھا۔ اس لیے وہ اپنا کام مکمل یکسوئی اور خاموشی میں کرنا پسند کرتا تھا۔ اس نے کچھ اسٹروک لگانے کے بعد چند قدم پیچھے جا کر دوبارہ پینٹنگ کو دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔ وہ کئی دنوں سے جیسا سوچ رہا تھا، آج پینٹنگ اسی شکل میں نظر آئی تھی۔

عمر ہاشم کو اپنی غلطی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ کام کے زیادہ بوجھ اور نمائش میں کم دن رہ جانے کی وجہ سے جس چیز کو جلدی جلدی کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس میں اتنی ہی دیر لگ رہی تھی کیونکہ جلدی میں مطلوبہ کام نہیں کر پا رہا تھا۔

عمر ہاشم کو اپنی غلطی سمجھ میں آئی تو اس کے ذہن پر چھایا بوجھ ایک دم اتر گیا۔ وہ پلیٹ کرٹینج پر رکھے اپنے مختصر سے سامان کے پاس گیا۔ اس میں سے ہینڈ فری اور اپنا آئی پوڈ نکال کر پسندیدہ گانا لگایا اور گنگناتے ہوئے پینٹنگ بنانے لگا۔ اسے کتنی دیر گزر گئی وہ بے خبر رہا مگر جب روشنی اندھیرے میں بدلنے لگی تو اسے اپنا کام روکنا پڑا۔ اس نے مطمئن نظر پینٹنگ پر ڈالی اور ساری چیزیں اپنے مختصر بیگ میں رکھ کر کرٹینج پر بیٹھ کر آدھی چھوڑی ہوئی چاکلیٹ کھانے لگا۔ اب اسے چاکلیٹ کی ہر بائٹ مزادے رہی تھی۔ چاکلیٹ کھاتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر کرٹینج کے دوسرے کونے کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

یہ شیخ کا وہ ہی کونا تھا جس پر ہر روز ایک خطبہ سے لڑکی بیٹھ کر کن اکھیوں سے اسے کام کرتے ہوئے

ہاشم نے گہری سانس لی اور اپنی نظریں لڑکی پر سے ہٹا کر کچھ دور کھیلنے بچوں پر مرکوز کر دیں۔ لڑکی چند قدم آگے بڑھی اور اس کی پینٹنگ کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اب عمر ہاشم کی طرف اس کی پشت تھی۔ جس پر لچھے دار بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔

”میں پچھلے کئی دنوں سے آپ کو اس پینٹنگ کے ساتھ سر کھپاتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔“ لڑکی بولی تو اس کے مدھم لہجے میں عجیب سی کشش تھی۔ عمر ہاشم نے گردن موڑ کر اس کی پشت کی طرف دیکھا۔ کئی سالوں سے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو پینٹنگ کی کلاسز دیتے ہوئے عمر ہاشم بہت اچھی طرح سے جان چکا تھا کہ یہ لڑکی اس کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں رکھتی ہے۔ اس لیے وہ اپنی جگہ خاموش کھڑا اسے سننے لگا۔

”مجھے لگتا ہے کہ آپ نے اس پینٹنگ کی تھیم میں جو رنگ استعمال کیا ہے وہ بہت ہلکا ہے جس سے اس پینٹنگ کا تاثر ٹھیک طرح سے ابھر کر سامنے نہیں آ رہا ہے۔ اگر آپ اس کے جگہ کوئی دوسرا رنگ استعمال کریں یا دو رنگوں سے ایک اسٹروک لگائیں تو یہ پینٹنگ بہت خوب صورتی سے ابھر کر سامنے آئے گی اور۔۔۔“ لڑکی اپنی رو میں کہہ رہی تھی جب اس نے اپنی پشت پر عمر ہاشم کی سر داوا زنی۔

”آپ؟ عمر ہاشم کو رنگوں کے استعمال کے بارے میں بتا رہی ہیں؟“ عمر ہاشم کے لہجے میں تپش تھی۔ لڑکی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ عمر ہاشم کو ہمیشہ لگتا تھا کہ صرف اس کی آنکھیں ہی بولتی ہیں مگر سامنے کھڑی لڑکی کی خاموش نگاہیں، دنیا کی ہر زبان سے زیادہ دلکش اور معنی خیز تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ان آنکھوں کے راستے اس کے دل کا حال معلوم کرتا لڑکی نے جلدی سے پلکیں جھپکیں اور زمین کی طرف دیکھنی لگی۔

”معذرت.....! میں اپنے زعم میں مبتلا ایک عام مرد سے نہیں، بلکہ ایک آرٹسٹ سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر میرا اندازہ غلط نکلا۔“ لڑکی نے سنجیدگی سے

دیکھا کرتی تھی۔

☆☆☆

”گڈ۔۔۔ مجھے ہر بات میں گردن جھکانے والی بیوی ہی چاہیے تھی۔“

آزد نے پرسکون انداز میں کہا۔ افریشم کو اس کے سکون سے اور زیادہ خوف آتا تھا کیونکہ اس کے سکون کا مطلب افریشم سے خوش ہونا اور خوش ہو کر اسے مزید اذیت دینا ہوتا تھا۔

”میں کھانا بنا لوں۔“ افریشم نے جلدی سے کہا اور کچن کی طرف مڑ گئی۔ امریکن اسٹائل کچن میں وہ تیزی سے کام کر رہی تھی۔ اس کے کانپتے ہاتھوں سے بار بار گرنی، خراب ہوتی چیزیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ لاؤنچ میں بیٹھے شخص کی سر دنگا ہوں کی زد میں ہے۔ افریشم جانتی تھی کہ وہ شخص اپنے ہر عمل سے یہ ثابت کرتا تھا کہ وہ قید میں ہے۔ اس قید سے صرف اسے موت ہی نجات دلا سکتی تھی۔ موت بھی اس ظالم شخص کے ہاتھوں کی۔۔۔!

☆☆☆

اگلے دن وہ مقرر وقت پر سامان اٹھائے اپنی مخصوص جگہ پہنچ گیا۔ اس نے خالی بیچ کو دیکھا تو اسے سخت مایوسی ہوئی۔ کچھ دیر کھڑا ہو کر کچھ سوچتا رہا اور پھر اپنا کینوس روشنی کے رخ پر سیٹ کر کے پلیٹ میں رنگ گھولنے لگا۔ رنگ گھولنے کے بعد اس نے پھر پلیٹ کر بیچ کی طرف دیکھا۔ اب کی بار وہ لڑکی اپنی مخصوص جگہ پر موجود تھی۔ عمر ہاشم نے سکون بھری گہری سانس لی اور خیر سگالی مسکراہٹ اس لڑکی کی طرف اچھالی مگر لڑکی نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی کتاب کھول لی۔ عمر ہاشم مسکراتے ہوئے اپنی پینٹنگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ جانتا تھا کہ لڑکی مسلسل کن انکھیوں سے اسے کام کرتا ہوا دیکھ رہی ہے مگر عمر ہاشم کے متوجہ ہوتے ہی اپنی نظریں کتاب پر مرکوز کر دیتی تھی۔

”کیا خیال ہے اگر تصویر میں کچھ اور گہرے رنگوں کا اضافہ کر دیا جائے؟“ اچانک عمر ہاشم نے اسے مخاطب کیا۔

”نہیں۔ مزید رنگوں سے تصویر کا تاثر خراب ہو

”یہ کیا ہے؟“

آزد نے افریشم کے کانپتے ہاتھوں میں پکڑے خوب صورت کارڈ کو دیکھا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے جم سے فارغ ہوا تھا۔ افریشم نے اسے فریش جوس کا گلاس پیش کیا جسے پیتے ہوئے وہ اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ افریشم نے ڈرتے ہوئے اسے پکارا۔ آزد نے ایک سر دنگاہ اس پر ڈالی۔ افریشم کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ نجانے کیوں ایک سال اس شخص کے ساتھ گزارنے کے باوجود، وہ آج بھی پہلے دن کی طرح اس سے خوف زدہ رہتی تھی۔

”مسٹر حیدر کے بیٹے موجب کی سالگرہ کا کارڈ ہے۔“ افریشم نے جلدی سے کہا۔ آزد کے سامنے اس کے لفظ آپس میں ایسے گڈمڈ ہو جاتے تھے جیسے اسے بولنا ہی نہیں آتا ہو۔ وہ جلدی جلدی میں بولتی جملے کو مختصر سے مختصر کرنا چاہتی تھی۔

”تو؟“ آزد نے ناگواری سے سوال کیا۔

”مسز سیمال حیدر بہت اصرار کر رہی تھیں کہ۔۔۔“ افریشم ایک دم چپ کر گئی۔ آزد اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

”تم جانا چاہتی ہو؟“

آزد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس نے بے خیالی میں پہلے اثبات میں سر ہلایا اور پھر فوراً نفی میں سر ہلانے لگی۔

”پھر میرا وقت کیوں ضائع کر رہی ہو؟“

آزد نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے خوف زدہ چہرے کی طرف دیکھا۔ افریشم کو کبھی بھی وہ اپنی مریض لگتا تھا۔ جو افریشم کی ہر سانس ڈر کے دھاگے میں پرو کر کھینچتے ہوئے خوشی محسوس کرتا تھا۔

”ویسے بھی مجھے پسند نہیں ہے کہ تم کسی سے تعلق رکھو۔ اس لیے آئندہ خیال رکھنا۔“ آزد کے سر دلچ میں واضح تنبیہ تھی۔ افریشم نے جلدی سے سر ہلایا۔

جائے گا۔“ لڑکی نے بے ساختہ جواب دیا اور پھر زبان دانتوں تلے دبالی۔ عمر ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور وہ پلٹ کر اس کے پاس آیا۔

”مجھے ایک بات کنفیوز کر رہی ہے۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔

”ٹائٹس نیم۔“ عمر ہاشم نے کہا۔ وہ حیران تھا کہ کوئی اپنا نام بتاتے ہوئے بھی اتنی یار گڑ بڑا سکتا ہے۔ یا تو وہ لڑکی اسے غلط نام بتا رہی تھی یا وہ ذہنی طور پر حاضر نہیں تھی۔ عمر ہاشم کو دوسری وجہ زیادہ معقول لگی کیونکہ اس لڑکی کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔

ترین حصے میں رہتے تھے۔ یہاں آزاد کا اپنا ذاتی اپارٹمنٹ تھا جبکہ حیدر یہاں ریٹائرمنٹ پر رہتا تھا۔ اس کی فیملی کا تعلق پاکستان سے تھا۔ وہ جاب کے سلسلے میں یہاں رہائش پذیر تھے۔

حیدر اور آزاد ایک ہی کمپنی میں کام کرتے تھے آزاد کی سنجیدہ اور لیے دیے والی عادت کی وجہ سے ان میں دوستی نہیں ہوئی تھی جبکہ افریشم کی یہاں صرف سیماں حیدر اور ان کے بچوں سے ہی سلام دعا تھی۔ افریشم آزاد کے آفس جانے کے بعد اکثر اپنی بالکونی میں آکر کھڑکی ہو جاتی اور نیچے بنے باغ میں بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتی۔ اکثر جب اس کا دل گھبراتا تو وہ بھی نیچے چلی جاتی۔ سیماں حیدر اور ان کے دونوں بچوں کے ساتھ وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلتا۔ سیماں حیدر کو بہت جلد افریشم کی ازدواجی زندگی میں شدید گڑبڑ کا احساس ہو چکا تھا۔ کئی بار دے دیے لفظوں میں اس نے افریشم نے پوچھنا چاہا مگر افریشم ہمیشہ ٹال جاتی۔ سیماں کو زیادہ کریدنا مناسب نہیں لگتا۔ اس لیے وہ چپ کر جاتی۔

ایک کھٹنے سے کچھ دیر پہلے موحب، سیماں کے کہنے پر اپنی سالگرہ کا فنکشن ادھورا چھوڑ کر، گراونڈ فلور سے تیسری منزل پر موجود اپارٹمنٹ میں افریشم کو لینے پہنچ گیا۔ افریشم نے کمزور لہجے میں انکار کیا مگر وہ دل سے موحب کی خوشی میں شامل ہونا چاہتی تھی۔ اس لیے اس کی ضد کرنے پر ساتھ جانے پر مان گئی۔ افریشم نے کہا کہ وہ بس ایک کھٹنے تک وہاں رکے گی۔ موحب مان گیا۔ افریشم نے جلدی سے کمرے سے باہر نکلی اور وال کلاک کی طرف دیکھ کر موحب کا ہاتھ پکڑ کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل گئی۔

”آئی! آپ ایسے ہی رہا کریں۔ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔“

موحب نے خوشی سے کہا تو افریشم مسکرا دی۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہال کمرے میں داخل ہوئے، جہاں سب مہمان موحب کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ سیماں، افریشم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

”یہ بد معاش تمہیں بالآخر اپنے ساتھ لے ہی آیا ہے۔“

سیماں نے مسکرا کر کہا تو افریشم بھی مسکرانے لگی۔ سب مہمان میز کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک کھٹنے والا تھا۔ افریشم ایک کونے میں کھڑی سب کے زندگی سے بھرپور چہرے دیکھ رہی تھی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ وہ موحب کی سالگرہ پر خالی ہاتھ آگئی ہے۔ افریشم کو شدید شرمندگی محسوس ہوئی۔ اسی دوران تالیوں کی گونج میں ایک کٹ گیا۔ مہمانوں میں ایک سرو ہوئے لگا جب موحب ایک کا پیس پلیٹ میں رکھ کر افریشم کے پاس آیا۔

”تھینک یو آئی!“ موحب نے دل کی خوشی سے جگمگاتے چہرے کے ساتھ کہا۔

”سوری موحب! آپ کا گفٹ مجھ پر ادھار رہا۔“ افریشم نے شرمندگی سے کہا۔

”تم موحب کی ضد پر آگئی ہو یہ ہی بہت ہے۔“

سیماں نے پاس آتے ہوئے کہا۔ افریشم نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور ایک ختم کر کے وہ موحب سے مل کر تیزی سے باہر نکلی۔ سیماں نے افسوس سے بھری نگاہ اس لڑکی پر ڈالی جس کے چہرے اور آنکھوں میں ہر وقت خوف رقص کرتا تھا۔

”پتا نہیں کیسے ظالم ماں باپ ہیں جنہوں نے پلٹ کر بیٹی کی خبر ہی نہیں لی۔“ سیماں نے سوچا اور پھر گہری سانس لے کر اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ افریشم لفٹ کے ذریعے اپنی فلور پر پہنچی۔ تیزی سے چلتی افریشم نے اپنی کلاک پر بندھی کھڑکی میں وقت دیکھا۔ اسے صرف بیس منٹ لگے تھے۔ افریشم نے گہری سانس لی کہ وہ جلد واپس آگئی ہے۔

افریشم اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچی۔ اس نے بے اختیار ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور ٹھنک گئی۔ ایک دوبار کوشش کے باوجود دروازہ نہیں کھلا۔ افریشم خوف سے لرز گئی۔ اسے یاد آیا کہ جلدی میں وہ اپنے اپارٹمنٹ کی چابی لینا تو بھول گئی۔ افریشم کا رنگ فق

افریٹم کے جسم میں سرد لہریں اٹھنے لگی۔ وہ چاہے کتنا بھی دکھی ہو مگر وہ زندہ رہنا چاہتی تھی۔ وہ جینا چاہتی تھی۔ اسے بھی عام لوگوں کی طرح موت کے نام سے ڈر لگتا تھا۔ اسے اپنے ڈر کا احساس ہوا تو وہ بے بسی سے رو پڑی۔

”کیا تجھے مجھ پر رحم نہیں آتا۔“

افریٹم نے بری طرح روتے ہوئے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھنا چاہا مگر سامنے پڑتے ہی اس کی نگاہ ساکت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

”تو آپ عمر ہاشم ہیں۔“

اپنے اسٹوڈیو میں داخل ہوتے عمر ہاشم نے اس تیز آواز پر حیرت سے سر اٹھا کر سامنے کھڑی عورت کو دیکھا تھا۔ جس کے جدید لباس اور حلیے سے اس کا کلاس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ وہ عمر ہاشم کا جائزہ ایسے لے رہی تھی جیسے عمر ہاشم کوئی مجرم ہو اور وہ عورت نفیثش کرنے آئی ہے۔

”میم! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ عمر ہاشم نے اپنے مخصوص روکھے انداز میں سوال کیا۔ ”ویل! اگلے مہینے ہماری ویڈیو اینیورسری ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے شوہر کو زبردست سرپرائز گفٹ دوں اور.....“

اقراء نے نزاکت سے کہنا شروع کیا۔

”سوری! یہ گفٹ شاپ نہیں ہے۔“ عمر ہاشم نے ناگواری سے ٹوکا۔ اسے اس عورت کے بن بن کر بولنے پر غصہ آ رہا تھا۔

”مجھے بھی معلوم ہے۔“ اقراء نے منہ بنا کر کہا۔

”میں اپنا اور اپنے شوہر کا پورٹریٹ بنوانا چاہ رہی ہوں۔ پیسوں کی فکر مت کیجیے گا۔ بس پورٹریٹ زبردست سا ہو۔“ اقراء نے حکم دیتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھے بغیر کے عمر ہاشم کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے ہیں۔

”سوری میم! میں کچھ بڑی ہوں۔“ عمر ہاشم

ہو گیا۔ اگر آزاد واپس آ گیا اور اس نے افریٹم کو تکسک سے تیار اور گھر سے باہر دیکھ لیا تو وہ اس کا کیا سلوک کرے گا یہ سوچ کر ہی افریٹم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

افریٹم لب کاٹتے ہوئے آگے کا سوچنے لگی مگر اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آزد بہت وہمی اور شکی مزاج تھا۔ اس نے اپارٹمنٹ کے لاک اپنی مرضی سے لگوائے ہوئے تھے۔ افریٹم کے پاس ایک چابی تھی جو وہ کبھی کبھار استعمال کرتی تھی۔ وہ بھی اگر آزد اسے باہر جانے کی اجازت دیتا تو۔

افریٹم کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ بہت واضح تھی۔ وہ بار بار گردن گھما کر اس پاس دیکھ رہی تھی مگر اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ افریٹم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ دروازے سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”میری قسمت ہی خراب ہے۔ میرے ساتھ کبھی کچھ اچھا نہیں ہوتا۔ میں قابل نفرت ہوں۔“ افریٹم نے خود ترسی کی دلدل میں اترتے ہوئے خود کلامی کی۔

”میری قسمت اچھی ہوتی تو کیا مجھے آزد جیسا خالم شخص ملتا؟ میری قسمت اچھی ہوتی تو کیا میں اپنے والدین کے گھر پیدا ہوتی؟“

افریٹم کو اپنی سب محرومیاں یاد آ رہی تھیں۔ وہ روتے روتے دروازے سے ٹیک لگائے نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے اور اپنا سر گھٹنوں میں رکھ کر رونے لگی۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ آس پاس رہنے والے لوگوں میں سے اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو؟ وہ مایوسی سے آنے والے برے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

”شاید آج وہ مجھے قتل ہی کر دے گا۔“ افریٹم نے خوف کی انتہا پر کھڑے ہو کر سوچا۔

”مگر اس کی دی ہوئی موت بہت خوف ناک ہوگی۔“

نے اسے ٹالا۔ ”آئی! آپ رورہی ہیں؟“ موجب نے

حیرانی سے سوال کیا تو افریشم چونک گئی۔

”موجب۔“ افریشم نے زیر لب پکارا۔

”آئی! آپ اس لیے رورہی نہیں ناں؟“

موجب نے اپنی بندھی آگے کی تو اس میں کی

چین کے ساتھ ایک چابی موجود تھی۔ افریشم اس کی

چین کو پہچان گئی۔ یہ اس کے اپارٹمنٹ کی چابی تھی۔

افریشم کو ایسے لگا کہ جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی

ہے۔ اس نے جھپٹ کر چابی پکڑی۔

”یہ تمہیں کہاں سے ملی؟“ بوکھلاہٹ میں

افریشم نے احمقانہ سوال کیا۔

”آئی! میں جب آپ کو لینے آیا تھا تب آپ

کے تیار ہونے کے دوران اسٹینڈ یہ لٹکی چابی اٹھالی تھی

کیونکہ مجھے پتا ہے کہ آپ یہ چابی لیے بغیر گھر سے باہر

نہیں جاتی ہیں۔ ہمیں پہلے ہی دیر ہو رہی تھی اس لیے

میں نے چابی اٹھالی تھی۔“ موجب نے تفصیل سے

جواب دیا۔

افریشم نے اس کی عقل مندی پر اسے گلے سے

لگالیا تھا۔

”شکر یہ موجب، مگر تم میرے پیچھے کیوں آئے

؟“ اچانک افریشم کو خیال آیا۔

”آپ کے جانے کے بعد مجھے یاد آیا کہ گھر کی

چابی تو میرے پاس ہے۔ اس لیے فوراً چلا آیا۔“

موجب نے کہا تو افریشم نے اس کے پھولے گالوں

پر پیار کیا۔

”میں آپ سے کل ملوں گی۔ اب جاؤ۔“

افریشم نے گزرتے وقت کا احساس کرتے

ہوئے کہا تو موجب اسے بائے کہتا ہوا چلا گیا۔ افریشم

نے جلدی سے لاک کھولا۔ گھر کے اندر آ کر اسے

ایسے لگا کہ جیسے وہ کسی بہت بڑے طوفان سے بچ کر

آئی ہو۔ افریشم نے اپنے کمرے کی طرف جاتے

ہوئے بے اختیار سوچا کہ ”اللہ سے ہمارے دوری

صرف ایک پکار کی ہوتی ہے مگر ہم ناامیدی میں

نجانے کہاں بھٹک جاتے ہیں۔“

”آپ بڑی ہیں تو فارغ تو میں بھی نہیں ہوں

۔ اگر آپ پیسے بڑھانے کے لیے یہ ڈرامہ کر رہے

ہیں تو.....“ اقرء کہتے کہتے چپ کر گئی کیونکہ عمر ہاشم کا

چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”آپ خاتون ہیں اس لیے میں برداشت کر

رہا ہوں مگر اس طرح کالب و لہجہ سننے کی مجھے عادت

نہیں ہے۔“ عمر ہاشم نے لفظ چبا چبا کر کہا۔ اقرء کے

چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”دوسری بات! عمر ہاشم! اپنی مرضی اور اصول

سے کام کرتا ہے۔ یہ پیسہ تھرڈ کلاس لوگوں کا ہنر خرید

سکتا ہے مگر افسوس کہ میرا شمار بھی ان لوگوں میں نہیں

ہوتا ہے۔ آپ جاسکتی ہیں۔“ عمر ہاشم نے کہتے

ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ اقرء سرخ

ہوتے چہرے کے ساتھ بڑبڑاتی ہوئی بیرونی

دروازے کی طرف بڑھی۔ عمر ہاشم کی نگاہ کونے پر

کھڑی نور عین پر پڑی جو ناخن چبانی ہوئی کچھ سوچ

رہی تھی۔ عمر ہاشم گہری سانس لے کر رہ گیا۔

”نور عین!“ عمر ہاشم نے چند قدم آگے بڑھ کر

اسے پکارا تو وہ ایک دم ہڑبڑا کر اسے دیکھنے لگی۔

”آپ بہت غصے میں لگ رہے ہیں! میں کل آ

جاؤں گی۔“ نور عین نے گہرائے ہوئے لہجے میں کہا

اور فوراً واپسی کے لیے مڑ گئی۔ عمر ہاشم کے کچھ کہنے

سے پہلے نور عین تیز تیز قدم اٹھالی وہاں سے ایسے

بھاگ گئی جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ عمر ہاشم حیرت

سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

روتی ہوئی افریشم کو اپنے پاس کسی کی موجودگی کا

احساس ہوا تو اس کا سارا وجود کانپ گیا۔

”اگر آزد ہوا تو؟“

افریشم اس سے آگے نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

افریشم نے آہستگی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ خوف اور بے

تحاشا رونے کی وجہ سے اسے صاف نظر بھی نہیں آ رہا

تھا۔

”نورعین!“

عمر ہاشم آج صرف اسی خطی لڑکی کی تلاش میں پارک آیا تھا۔ عمر ہاشم کا اندازہ درست ثابت ہوا وہ لڑکی ہمیشہ کی طرح اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی ناول تھا۔ جسے پڑھنے میں وہ اتنی محو تھی کہ اسے ارد گرد کی کوئی خبر نہیں تھی۔ عمر ہاشم چند لمحے عام سے حلیے میں ملبوس لڑکی کو دیکھتا رہا جسے ڈھونڈنے پتا نہیں وہ کیوں چلا آیا تھا۔ عمر ہاشم نے اسے پکارا تو نورعین ایک دم ڈر گئی۔ اس کے ہاتھ سے کتاب گر گئی۔

”تم اتنا ڈرتی کیوں ہو؟“ عمر ہاشم نے گھاس پر گری کتاب اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔
”میں نہیں ڈرتی۔“

نورعین نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کے رنگ اڑے چہرے پر زبردستی بہادر بننے کا تاثر تھا۔ جیسے کوئی بچہ ضد کر کے خود کو سچا ثابت کرنا چاہے۔
”اچھا.....!“

عمر ہاشم نے اچھا کو لبھا کھینچا تھا۔ نورعین نے عمر ہاشم کے ہاتھوں سے کتاب پکڑی اور بلاوجہ ہی اپنے بھرے بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ عمر ہاشم گہری سانس لے کر رہ گیا۔

”تمہیں میرا اس عورت سے سخت لہجے میں بات کرنا برا لگا تھا۔“ عمر ہاشم نے اطمینان سے سوال کیا تو نورعین چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
”مجھے کیا! آپ جس لہجے میں بات کریں۔“ نورعین نے جلدی سے کہا۔

”تم اونچی آوازوں سے ڈرتی ہو نورعین۔“ عمر ہاشم نے ہمدردی سے کہا۔
”میں کسی سے نہیں ڈرتی۔“ نورعین نے چڑ کر کہا۔

”اچھا! پھر دوبارہ کیوں نہیں آئیں؟“ عمر ہاشم نے سوال کیا۔

آزد کے آنے سے پہلے افریشم کپڑے تبدیل کر کے گھریلو حلیے میں آچلی تھی۔ آزد رات گیارہ بجے تک آیا۔ افریشم نے اس سے کھانے کا پوچھا مگر وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اس لیے آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس رات آزد جلدی سو گیا۔ کتنے دنوں کے بعد افریشم کو رات کی تنہائی کو انجوائے کرنے کا موقع ملا تھا۔ افریشم اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں کافی کامگ لے کر بینکنگ چیئر پر بیٹھ کر دور تک پھیلے آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنے لگی۔

اس عام سے نظارے میں افریشم کے لیے کیا کچھ نہیں تھا وہ یہ بات شاید کسی کو نہیں سمجھا سکتی۔ اس کی نظر کی قید میں آیا یہ منظر بالکل ویسا ہی سکون آور تھا جیسے قید میں بند فرد کے لیے روشن دان سے آتی تازہ ہوا اہم ہوتی ہے۔ رات دیر تک افریشم آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ میں کئی کھیل کھیلتی رہی۔ ستاروں کی کہکشاں کبھی خوب صورت سپنوں میں ڈھل جاتی، کبھی اس کے بچپن کا آنگن بن جاتی، کبھی اس کی کھوئی گڑیوں میں ڈھل جاتی، کبھی ماں کی آغوش بن کر اسے سمیٹ لیتی۔ ان سب منظروں میں ایک اور منظر بھی تھا.....!

دور دیس کے کسی شہزادے کا.....! افریشم کی نظر بار بار بھٹکتی تھی، مگر ان ستاروں کی کہکشاں میں، سب جانے، پہچانے ستاروں کے درمیان، ایک ستارہ کسی اجنبی دیس کا بھی تھا۔ جس کا اجنبی مگر مہربان چہرہ بہت اپنا اپنا لگتا تھا.....!

”سراب صرف صحراؤں میں ہی نظر نہیں آتے، اکثر اندھیری رات کے چمکتے ستاروں میں بھی ہوتے ہیں۔“ افریشم نے دل گرگی سے سوچا اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ بالکونی کا سلائیڈ ڈور بند کرتے ہوئے اس نے دیکھا ہی نہیں کہ صبح کا روشن ستارہ نمودار ہونے کے قریب تھا۔!

مایوسی ہمیشہ اسی جگہ لا کر مارتی ہے، جہاں بس امید کی کرن بیدار ہونے والی ہو۔

☆☆☆

درست تسلیم ہوتا دیکھ کر نورعین کے چہرے پر روشنی پھیل گئی مگر فوراً ہی چہرہ تاریک ہو گیا۔

”میں کبھی کچھ ٹھیک نہیں کرتی ہوں۔“ نورعین نے مایوسی سے سر جھکا کر کہا۔

”ایسا نہیں ہے نورعین! سب سے غلطی ہوتی ہے۔“ عمر ہاشم نے نرمی سے کہا۔

”کیا آپ سے ہوئی؟“ نورعین نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں! جب تم نے میری اصلاح کی۔“ عمر ہاشم نے اپنی پینٹنگ کا حوالہ دیا۔ نورعین کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔

”ہاں! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ نورعین نے خوشی سے کہا۔

”اور تم ٹھیک کرو گی اگر میری دوستی کی قدر کرو۔“ عمر ہاشم نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ نورعین چونک گئی۔

”میں دوستی کی قدر کرتی ہوں مگر آپ دوست؟“ نورعین نے الجھ کر کچھ سوچا۔

”ہاں میں تمہارا دوست ہوں کیونکہ میں تمہارے لیے اچھا سوچتا ہوں۔“ عمر ہاشم آہستہ آہستہ کر کے اس لڑکی کو اعتماد میں لے رہا تھا۔

”اس لیے آپ نے مجھے اپنا وزینٹنگ کارڈ دیا تھا؟“ نورعین نے سوال کیا تو عمر ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مجھے لگتا ہے کہ تمہیں آرٹ کی سمجھ بوجھ ہے۔ اس لیے تمہیں ضرور کچھ سیکھنا چاہیے۔“

عمر ہاشم نے نرمی سے کہا تو نورعین کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

”ٹھیک ہے۔ میں آپ کے اسٹوڈیو ضرور آؤں گی مگر.....“ ایک دم کچھ سوچ کر نورعین کا چہرہ تاریک ہوا تھا۔

”آپ کو غصہ بہت آتا ہے ناں۔۔۔!“ نورعین نے ڈرے لہجے میں کہا۔

”وعدہ میں تم پر غصہ نہیں کروں گا۔“ عمر ہاشم

”میری مرضی۔“

عمر ہاشم کو لگا کہ وہ کوئی بہانہ بنائے گی مگر اس نے یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی تھی۔ عمر ہاشم بے ساختہ مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ پھر بلند قہقہے میں بدل گئی تو نورعین کنفیوز ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”سوری مگر۔۔۔“ عمر ہاشم نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے خود کو نارمل کیا۔

”اپنی مرضی پہ چلتی ہو۔ لگتا تو نہیں!“ عمر ہاشم نے پرسوج انداز میں خود کلامی کی۔ نورعین نے ان سنا کر دیا۔

”اچھا سنو! اگلے ویک اینڈ میری سولو انگیزیشن ہے۔ تم ضرور آنا۔“ عمر ہاشم نے ایک خوب صورت کارڈ نورعین کی طرف بڑھایا۔

”میں کیوں آؤں؟“ نورعین نے منہ بنا کر کہا۔

”اس لیے کہ اچھے دوست ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے ہیں۔“ عمر ہاشم نے نرمی سے کہا۔

”دوست؟“ نورعین نے حیرت سے دہرایا۔

”کیا ہم دوست ہیں؟“

عمر ہاشم کو ایسا لگا کہ جیسے وہ خود سے مخاطب تھی۔ عمر ہاشم بہت غور سے اس کی آنکھوں کی بے توجہی اور چہرے کی الجھن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نورعین بات کرتے ہوئے بھی نظریں نہیں ملائی تھی۔ وہ ہمیشہ آس پاس کی کسی چیز، منظر پر نظریں جما کر رکھتی تھی۔

عمر ہاشم کو اس سے نورعین کی ذہنی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

”مگر میرا تو کوئی دوست نہیں ہے۔“ نورعین نے افسردگی سے کہا۔

”تم نے کبھی کوشش نہیں کی ہو گی۔“ عمر ہاشم نے نرمی سے کہا۔

”میں نے بہت بار کوشش کی ہے۔“ نورعین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہوسکتا ہے۔“

عمر ہاشم نے محتاط انداز میں کہا تو اپنی بات کو

نے جلدی سے کہا تو نور عین خوشی سے سر ہلانے لگی۔
اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
”مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

نور عین نے ہاتھ میں پہنی رسٹ واچ میں
وقت دیکھا تو اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا۔ وہ عمر
ہاشم کی بات سنے بغیر تیزی سے مڑ کر ٹریک پر چلنے لگی
۔ عمر ہاشم گہری سانس لے کر رہ گیا۔ پارک میں رش
معمول کے مطابق تھا۔ عمر ہاشم مخصوص رفتار میں چلتا
بیرونی گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ شام ڈھل رہی تھی۔
شام کا ہر منظر اسے بہت دلکش لگتا تھا۔

عمر ہاشم نور عین سے پہلی بار ملنے پر ہی جان گیا
تھا کہ نور عین اپنی زندگی کی کسی انتہا پر کھڑی ہے۔
اسے پرسکون، گلابی شام تک لانا تھا۔ اس کے لیے
ضروری تھا کہ وہ نور عین سے ہر روز ملے۔ وہ نور عین
سے مل کر، اسے سن کر اصل مسئلے کو سمجھنا چاہتا تھا۔ نور
عین نے عمر ہاشم کی مدد کر کے جو احسان کیا، عمر ہاشم
اس احسان کا بدلہ بہت اچھے طریقے سے اتارنا چاہتا
تھا۔

وہ نور عین کو سمجھانا چاہتا تھا کہ زندگی کبھی بھی دو
انتہاؤں کے درمیان نہیں گزرتی ہے۔ اس میں ہمیشہ
درمیان کا ایک راستہ موجود ہوتا ہے۔ اس راستے پہ
چلنے والے ہی ایک اچھی اور بہترین زندگی گزارتے
ہیں۔

☆☆☆

افریشم۔۔!“

اس نے اپنا بھاری ہاتھ افریشم کے سلکی بالوں
میں پھنسا یا اور ایک زور کا جھٹکا دیا تو اذیت کی شدید لہر
کے ساتھ بند ہوتی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھلی تھیں۔
آزد پنچوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ افریشم
ٹھنڈے فرش پر بیٹھے بیٹھے اکڑ گئی تھی۔ افریشم نے
کالے رنگ کی ہاف بازو کی ٹی شرٹ اور کالے رنگ کا
ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے
ہوئے تھے۔ دائیں آنکھ کے نیچے نیل پڑا ہوا تھا۔ اوپر
والے ہونٹ کا کنارہ پھٹا ہوا تھا، جہاں بہتا خون اب

جسم چکا تھا۔ چہرے پر تھپڑوں کے واضح نشان تھے۔
مکسلس کئی گھنٹے رونے سے افریشم کی آنکھیں سوچ
چکی تھیں۔ اس کے منہ پر سفید کپڑا باندھا ہوا تھا تاکہ
اس کی چیخیں کوئی سن نہ سکے۔

”تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ مجھے دھوکا دے کر بیچ
جاؤ گی؟“ آزد نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ افریشم
نے نفی میں سر ہلایا۔

”تم میری غیر موجودگی میں موجب کی برتھ
ڈے پارٹی میں گئی تھیں؟ تم کیا سمجھیں مجھے خبر نہیں ہو
گی۔“

آزد نے اس کے بالوں کو زور سے جھٹکا دیا تو
کئی چیخیں افریشم کے منہ سے نکلیں جو منہ کے آگے
بندھے کپڑے کی وجہ سے دب کر رہ گئی تھیں۔

کل کسی کام سے آزد کو مسٹر حیدر کے گھر جانا پڑ
گیا۔ جہاں وہ سب بیٹھے دیوار پر لگی اسکرین پر
سالگرہ کی ویڈیو دیکھ رہے تھے۔ آزد بھی لاؤنج میں
بیٹھ گیا۔ کافی پیتے ہوئے جب اس کی نظر اسکرین پر
پڑی تو وہ ساکت رہ گیا۔ تیزی سے گھومتے کمرے
کی زد میں کچھ لمحوں کے لیے افریشم بھی آئی تھی۔ آزد
نے اطمینان سے کافی ختم کی اور باتوں ہی باتوں میں
موجب سے سالگرہ والے دن کے بارے میں سوال
کرنے لگا

موجب نے اپنی معصومیت میں ساری تفصیل
بتادی۔ آزد مسکراتے ہوئے سنتا رہا۔ وہ وہاں سے اٹھا
تو غصے اور نفرت کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس آگ کی
تپش سے افریشم کیسے بچ سکتی تھی۔ افریشم کو آزد اتنی
اذیت اور تکلیف دیتا تھا کہ وہ مرنے کے قریب پہنچ
جانی مگر آزد اسے مرنے بھی نہیں دیتا تھا۔ آزد نے
پچھتے ہوتے ہوئے گہری سانس لی اور خوف زدہ نظروں
سے اس کی طرف دیکھتی افریشم کی طرف دیکھا۔

”افریشم ڈارلنگ! میں تم سے بہت محبت کرتا
ہوں.....“ آزد نے کہتے ہوئے سگریٹ سلگایا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم کبھی مجھے دھوکا مت دو۔“
آزد نرمی سے کہتا ہوا اس کے پاس آنے لگا۔

فریشم نے پیچھے ہٹنے کی ناکام کوشش کی کیونکہ وہ پہلے ہی دیوار سے لگ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

”میں چاہتا ہوں کہ آج کے بعد تم ہمیشہ یاد رکھو کہ آزد کو دھوکا دینے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔“ آزد نے جھک کر اس کی خوف سی پھٹی آنکھوں میں دیکھا اور پھر جلتی سرکھٹ کی شرٹ سے نظر آتے بازو پر لگا دیا۔ افریشم چیخ مار کر بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔

”یاد رکھو گی ناں؟“ آزد نے اس کے دونوں بازو پر اپنی سفاکیت کے نشان بناتے ہوئے نفرت سے سوال کیا۔ افریشم دردی کی افیت سے بے ہوش ہو کر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

☆☆☆

”بالآخر! خاتون آپ آہی گئیں؟“

عمر ہاشم نے سنجیدگی سے سامنے کھڑی ڈینٹ اور خوب صورت خاتون کی طرف دیکھ کر کہا۔

سامنے کھڑی اسٹائش ”خاتون“ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں شرارت لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”خاتون سے تین سال چھوٹے بھائی! مجھے تو آتا ہی تھا۔“ تینتیس سال کی سارہ نے اپنا بھاری ہینڈ بیگ اس کی طرف اچھالا۔ جسے عمر ہاشم نے فوراً پیچ کر لیا۔

”کافی مال دار لگ رہی ہو۔“ عمر ہاشم نے بیگ کے وزن کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

”جی بیگ میں دو جڑواں بچوں کی چیزیں رکھ کر

“

سارہ نے اطمینان سے کہا اور اپنے چار سالہ بچوں ہانیہ اور عمیر کو دیکھنے لگی۔ جو عمر ہاشم کو دیکھ کر ہنر جوش نظر آ رہے تھے۔

”عمر ماموں!“ دونوں بچے تیزی سے کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ عمر نے سارہ کا بیگ ایئر پورٹ کے فرش پر رکھا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بچوں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ عمر ہاشم نے ایک ساتھ

دونوں کو اپنے ایک ایک بازو میں اٹھالیا تھا۔

”ماشاء اللہ! تمہارا بھائی تو نازن لگ رہا ہے۔“ جواد سامان کی ٹرائی لے کر آیا تو عمر ہاشم کو دیکھ کر شرارت سے کہنے لگا۔ عمر ہاشم ہنس پڑا۔

”میرا بھائی ہیرو ہے۔ خبردار، جو میرے بھائی کو نظر لگائی۔“ سارہ نے اپنے اکلوتے بھائی پر فدا ہوتے ہوئے کہا۔

”میری کیا مجال!“ جواد نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ”وہ بھائی جس بھائی کی تمہاری جیسی کالی چیزیل بہن ہوگی، اسے کس پاگل نے نظر لگائی ہے۔“ جواد بڑبڑایا۔

عمر ہاشم نے سن لیا۔ سارہ بہت ادا سے آگے چل رہی تھی۔ اس لیے وہ اپنے شوہر نامدار کے ان انمول لفظوں سے محروم رہی تھی۔

”جواد صاحب! کیوں میری معصوم سی بہن کو تنگ کر رہے ہو۔“ عمر ہاشم نے جواد کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

”عمر ہاشم صاحب! تمہیں تو میں قیامت کے دن پوچھوں گا۔ ایسی ہنٹر بہن کی شادی مجھ سے کروانے پہ۔“ جواد نے منہ بنا کر کہا۔ وہ سب ایئر پورٹ کی شاندار عمارت سے باہر نکل رہے تھے۔

”اچھا! پھر وہ محبت کیا ہوئی؟ جس کے بل بوتے پہ آپ رشتہ لے کر آئے تھے؟“ عمر ہاشم نے سات سیال پہلے کی بات یاد کروائی۔ سارہ اور جواد کی لومیرج تھی۔

”ہائے! اس محبت نے تو مارا ہے۔“ جواد نے مظلومیت سے کہا۔

”یعنی کہ میں محبت نہ کروں؟“

عمر ہاشم نے دونوں بچوں کو نیچے اتارا تو وہ بھاگ کر کچھ دور کھڑی گاڑی کی طرف چلے گئے۔ سارہ پہلے ہی گاڑی کے پاس کھڑی، ان دونوں کے پاس آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

”کر لو یار! ویسے بھی تو زندگی ضائع ہی کر رہے ہو۔“ جواد نے شان بے نیازی سے کہا۔

”میرے ٹیلنٹ کی کسی کو قدر ہی نہیں ہے۔“
 عمر ہاشم نے منہ بنا کر کہا۔ وہ دونوں عمر ہاشم کی
 گاڑی کے پاس پہنچے۔ گاڑی میں بیٹھنے تک وہ باتیں
 ہی کرتے رہے۔

”تمہاری ایگزیشن کب ہے؟“ سارہ نے
 اپنے خوب صورت اسٹیپ میں کٹے لمبے بالوں میں
 انگلیاں پھیرتے ہوئے سوال کیا۔

”اس ہفتے۔“ عمر ہاشم نے مسکرا کر جواب دیا۔
 ”میں بہت خوش ہوں کہ تم میری سولوا ایگزیشن
 دیکھنے کے لیے پاکستان سے خاص طور پر آئی ہو۔“

عمر ہاشم نے محبت سے بہن کو بیک مرر میں
 دیکھا تھا۔ سارہ مسکرا دی۔ عمر ہاشم کے ساتھ بیٹھے جواد
 نے پہلے گردن موڑ کر سارہ کی طرف دیکھا اور پھر عمر
 ہاشم کی طرف.....!

”افسوس! جس کا پیسہ اور وقت لگا، اس کا کسی
 نے شکریہ ادا نہیں کیا۔“ جواد نے اداسی سے سر ہلایا۔
 ”آپ کا فرض تھا۔“ سارہ نے بے نیازی سے
 کہا۔

”جی! میری بہن کو خوش رکھنا۔“ عمر ہاشم نے
 بھی دھونس جمائی۔
 ”کوئی بات نہیں بیٹا! جب تمہاری شادی ہوگی
 تب پوچھوں گا کہ بیوی کو خوش رکھنا آسا!۔ ہے یا
 ناممکن؟“

جواد نے منہ پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔
 ”عمر ہاشم! بس بہت ہو گیا۔ اب شادی کر لو۔
 تمہاری عمر گزری جا رہی ہے۔“

سارہ کو پسندیدہ ٹائیک مل گیا تھا۔ جواد نے
 فاتحانہ انداز میں عمر ہاشم کی طرف دیکھا۔ اس پوائنٹ
 پر آ کر عمر ہاشم ہمیشہ سارہ سے ہار جاتا تھا۔
 سارہ کو عمر ہاشم سے بس ایک ہی شکوہ تھا کہ وہ
 شادی نہیں کرتا ہے۔

”توبہ کرو بہن! دوبارہ میری گزرتی عمر کا تذکرہ
 مت کرنا۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔
 ”کیوں؟“ سارہ نے حیرت سے اپنی بڑی

بڑی آنکھیں پھیلائی تھیں۔
 ”اس لیے کہ تم مجھ سے تین سال بڑی ہو اور
 خواتین کسی کو اپنی صحیح عمر بتانا پسند نہیں کرتیں۔“
 عمر ہاشم نے ہنستے ہوئے کہا تو جواد بھی قہقہہ مار
 کر ہنس پڑا۔

”ویری فنی! ویسے میں تم سے چھوٹی ہی لگتی ہوں
 “
 سارہ نے منہ بنا کر کہا۔ وہ دونوں ہنستے رہے۔
 سارہ منہ بنا کر گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆
 ”آپ جانتی ہیں درد اور اذیت کی حد کیا ہوتی
 ہے؟“
 وہ ڈاکٹر علیہ کے سامنے ٹوٹی اور بکھری سی بیٹھی
 ہوئی تھی۔ ڈاکٹر علیہ خاموشی سے اس کے روئے
 چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”ایسا درد، ایسی تکلیف جس سے آپ بچنا
 چاہتے ہوں مگر بچ نہیں سکتے۔ کوئی انسان اتنا ظالم
 لگے ہو سکتا ہے۔ آپ نے میرے جسم پر نشان دیکھے
 ہیں؟ وہ اتنا ظالم ہے کہ مجھے تکلیف سے چیخنے بھی نہیں
 دیتا۔ میری چیخیں منہ پر باندھے کپڑے میں دب کر رہ
 جاتی ہیں۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”میرا کیا قصور تھا؟ میں نے ایسا کیا گناہ کیا کہ
 مجھے ایسا شوہر ملا؟“ اس نے روتے ہوئے اپنا سر میز
 پر رکھ دیا۔ کچھ دیر ایسے ہی گزر گئی۔ جب وہ تھک گئی تو
 اس نے اپنا سر اٹھایا۔

”پانی۔“ ڈاکٹر علیہ نے نرمی سے پاس رکھے
 پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔
 اس نے جلدی سے گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا
 تھا۔ ایک سانس میں گلاس خالی کر کے اس نے میز پر
 رکھ دیا۔

”میں چلتی ہوں۔“ اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے
 ہوئے کہا۔
 ”کوشش کرو! زندگی میں آگے بڑھنے کی
 “۔ ڈاکٹر علیہ نے نرمی سے کہا۔ وہ طنزیہ مسکراتے

گئی۔

ہاشم نے کافی پینے کے لیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ایک سرسری سی نظر سامنے والے صوفے پر بیٹھی سارہ پر ڈالی جو دونوں پاؤں صوفے پر رکھے، کشن گود میں لیے، اپنی کہنیوں پر چہرہ سجائے، اشتیاق بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عمر ہاشم کو اس کا انداز عجیب سا لگا۔

”کیا ہوا؟“ عمر ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔
”کچھ نہیں!“ سارہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا مگر وہ پریشانی نگاہوں سے بھائی کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو جیسے میری چوری پکڑی گئی ہے؟“ عمر ہاشم نے منہ بنا کر سوال کیا۔
”چھپے رستم! نور عین کون ہے؟“

سارہ نے خوشی سے بھرپور انداز میں سوال کیا اور جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر بھائی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ عمر ہاشم گہری سانس لے کر رہ گیا۔

”دیکھو بھائی! اگر لڑکی کالی، موٹی، بڑی عمر کی بھی ہے تو مجھے بھابھی کے طور پر منظور ہے۔ میری کچھ زیادہ ڈیمانڈز نہیں ہیں۔ بس تم جلدی سے شادی کرلو۔“ سارہ نے جلدی سے کہا۔

”شکر ہے آپ نے چڑیل، بھوتی، جنی، بد روح یا آسیب کا آپشن نہیں رکھا۔“ عمر ہاشم نے چڑ کر کہا۔

”دیکھو اگر لڑکی کے گھر والے نہیں مان رہے تو۔۔۔“ سارہ کہتے ہوئے سوچ میں پڑ گئی۔

”تو ہم کورٹ میرج کروادیں گے۔ لڑکی کو بھگا کر لے جائیں گے، اغوا کروالیں گے اور۔۔۔“ جواد نے فوراً انٹری ماری۔

”ہاں! گڈ آئیڈیا۔“

سارہ نے چٹکی بجاتے ہوئے تائیدی۔ جواد نے پہلے اپنی بیوی کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر عمر ہاشم کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

”خدا کا واسطہ ہے بھائی! جلدی شادی کر لے۔ اس سے پہلے کہ میری معصوم بیوی اس حسرت میں

”زندگی میں آگے کیسے بڑھتے ہیں؟“ اس نے طنزیہ انداز میں سوال کیا۔

”جو گزر جائے، اسے ماضی کے صندوق میں بند کر کے، حال کی کھڑکی کھول کر آج کا منظر دیکھو۔“ ڈاکٹر علینہ نے نرمی سے کہا۔

”اچھا ایک بات بتاؤ! تمہارے کتنے دوست ہیں؟“ ڈاکٹر علینہ نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

”اگر دوست نہیں ہیں تو دوست بناؤ۔۔۔ ایہ رشتہ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ دوستی کا رشتہ اکثر خون کے رشتوں سے زیادہ مخلص اور انمول بن جاتا ہے۔“ ڈاکٹر علینہ نے سمجھایا۔

”مجھ سے کون دوستی کرے گا؟“ اس نے مایوسی سے کہا۔
”کوشش کر کے دیکھو۔“ ڈاکٹر علینہ اپنی بات پر بضد تھی۔

”اچھا!“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔
”اگلی بار جب تم آؤ گی تو ہم تمہارے پہلے دوست کے بارے میں بات کریں گے۔“

ڈاکٹر علینہ نے نرمی سے کہا تو لڑکی نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا اور اپنا بیگ اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

”ہیلو نور عین! تم ایگزیشن میں آرہی ہونا؟“

عمر ہاشم موبائل کان سے لگائے، لیپ ٹاپ کھولے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ سارہ کافی کنگ لائی ہوئی چوبک گئی۔

”کوئی بہانہ نہیں چلے گا! میں تمہارا انتظار کروں گا۔“

عمر ہاشم نے دھولے بھرے انداز میں کہا اور پھر کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا۔ سارہ نے کافی کا ایک گلاس کے سامنے میز پر رکھا۔ عمر ہاشم نے مصروف انداز میں شکر یہ کہا۔ وہ ایک ضروری ای میل کر رہا تھا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر چند منٹ کے بعد جب عمر

ٹھنڈی اور میٹھی روشنی پھیلتی ہے تو آنکھوں کو بہت بھلی لگتی ہے بالکل ایسے ہی ایک لمحے کے لیے نور عین کے نام کی روشنی نے اس کے دل کی سطح کو چھوا تھا۔

☆☆☆

افریٹیم مگن انداز میں قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے شیشے کی میز پر سفید کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ افریٹیم سفید کاغذ پر بھی تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ جب اچانک آزد نے اس کے سامنے رکھا کاغذ اٹھالیا۔ افریٹیم نے چونک کر سر اٹھایا۔ آزد آفس سے آکر سو گیا تھا۔ افریٹیم کو یہ وقت اپنے ادھورے کام کرنے کے لیے مناسب لگتا تھا۔ آزد دو گھنٹے کی نیند لیتا تھا۔ اس لیے افریٹیم بے فکری سے کام کر رہی تھی مگر آزد کو سامنے دیکھ کر افریٹیم کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ آزد کو سوئے ابھی صرف آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا۔

آزد نے ڈرائنگ شیٹ کی طرف دیکھا۔ جس پر افریٹیم نے ہنستے مسکراتے بچوں کے ایچ بنائے ہوئے تھے۔ آزد کچھ دیر تک اس کے بنائے تمام ایکسچیز دیکھتا رہا۔ افریٹیم خوف سے کانپتی رہی۔ نجانے آزد کارڈ عمل کیا ہو۔

”ہوں! اچھا کام ہے۔“ آزد بڑبڑایا۔

افریٹیم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جو ایک کے بعد ایک ڈرائنگ شیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ افریٹیم نے آزد کے منہ سے کبھی اپنے لیے حوصلہ افزا لفظ نہیں سنا تھا۔ آزد نے میز پر رکھی تمام ڈرائنگ شیٹ اٹھائیں اور افریٹیم پر ایک نگاہ ڈال کر واپس پلٹ گیا۔ افریٹیم الجھ کر اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔ آزد اوپن چین کی طرف دیکھا تو افریٹیم چونک گئی۔ آزد نے برز آن کیا اور ایک ایک کر کے اس کی تمام ڈرائنگ کو آگ لگا کر سنک میں پھینک دیا۔ اس نے ایگزاسٹ فین چلا دیا تھا تا کہ دھواں نہ پھیلے۔ افریٹیم اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ افریٹیم میں اتنی اہمیت نہیں تھی کہ وہ آگے ہو کر آزد کو منع کرنی یا روکنے کی کوشش کرنی۔ جب سب کاغذ

دماغی توازن کھو بیٹھے۔ مان جا۔“

جواد نے بے چارگی سے کہا تو عمر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ جواد بھی مسکرائے لگا۔

سارہ نے پہلے نا کھجی سے دونوں کی طرف دیکھا اور پھر پاس رکھا کٹن اٹھا کر پہلے شوہر کی طرف پھینکا جو اس نے فوراً کچ کر لیا۔ آخر اتنے سالوں کی پریکٹس جو تھی۔ پھر سارہ نے دوسرا کٹن اٹھا کر عمر کے سر پر برسانا شروع کر دیا۔

”شرم نہیں آتی میرا مذاق اڑاتے ہوئے۔“ سارہ نے غصے سے کہا۔ عمر ہاشم نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ آگے کیے۔ اس وقت ہانیہ اور عمیر بھاگتے ہوئے آئے اور ماموں سے لپٹ گئے۔

”ماموں کو مت ماریں! ممما پلیز۔“ دونوں بچے چیختے ہوئے کہنے لگے۔

سارہ نے جلدی سے ہاتھ روک دیا۔ بچے نجانے کیا سمجھ کر ڈر گئے تھے۔ عمر ہاشم نے دونوں کو خود سے لگا لیا اور ایسی مظلوم شکل سے سارہ کی طرف دیکھنے لگا جیسے بچوں نے آکر اسے بجالایا ہو۔

”ہم کٹن سے کھیل رہے تھے۔“ عمر ہاشم نے جلدی سے کہا تو دونوں بچے حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

”اور اگر آپ کے ماموں شادی کے لیے نہ مانے تو آپ یہ کھیل دوبارہ بھی ضرور دیکھیں گے۔“

سارہ نے بظاہر بچوں کی طرف دیکھ کر کہا مگر عمر ہاشم کے لیے واضح دھمکی تھی۔ سارہ اونہہ کہتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

”اب تمہاری خیر نہیں۔“ جواد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سارہ کی رکھی کافی اٹھا کر پینی شروع کر دی۔

عمر ہاشم گہری سانس لے کر اپنی پیاری بہن کی روز بروز بڑتی ہوئی حالت پر انسوؤں کر کے رہ گیا تھا۔

”نور عین!“

عمر ہاشم نے ایک لمحے کے لیے سارہ کی بات پر غور کیا تو بے ساختہ مسکرا دیا۔ جیسے صبح کے وقت ہلکی

عمر ہاشم اپنے پاس کھڑے لوگوں سے معذرت کی اور تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے دیر کی تو نور عین واپس بھی پلٹ سکتی تھی۔ سارہ کی تیز نگاہوں نے اس کے قدموں سے پہلے، اس لڑکی تک سفر طے کیا تھا۔

”ہوں! یہ ہے وہ.....“ سارہ نے دلچسپی سے گھبرائی اور پریشان چہرے کے ساتھ عمر ہاشم سے باتیں کرتی لڑکی کی طرف دیکھا تھا۔

”یہ راستہ باہر کی طرف جاتا ہے۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔ نور عین جو واپس جانے کا سوچ رہی تھی۔ اس کی آواز پر چونک گئی۔

”بہت دیر کر دی تم نے آنے میں۔ اچھے دوست ایسا نہیں کرتے۔“ عمر ہاشم نے نرمی سے کہا اور اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ آج وہ کچھ بہتر حلیے میں موجود تھی۔ خوب صورت پھولوں کے ڈیزائن والی لانگ اسکرٹ کے اوپر کالے رنگ کا سادہ ٹاپ پہنے، گلے میں اسکرٹ سے میچنگ اسکارف ڈالے، بالوں کو کچر لگا کر کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ عام دنوں کی نسبت آج صرف اتنا فرق تھا کہ اس نے استری شدہ کپڑے پہنے ہوئے اور بالوں کو بے ترتیب چھوڑنے کے بجائے ان میں کھسکی کی ہوئی تھی۔ باقی چہرے پر ہونق پن کا تاثر پہلے کی طرح موجود تھا۔

”نور عین! یہ میری بڑی بہن سارہ ہے۔“

عمر ہاشم نے بڑی بہن پر زور دیتے ہوئے شرارت سے کہا۔ سارہ نے اسے گھوری ڈالی۔ نور عین کنفیوز ہو کر سامنے کھڑی پر اعتماد اور حسین لڑکی کو دیکھ کر مزید گھبرا گئی۔

”بڑی بہن؟“ گھبراہٹ میں نور عین کے منہ سے نکلا۔

”دیکھا! میں بڑی نہیں لگتی ہوں نا!“

سارہ نے خوش ہو کر نور عین کی بات کا مطلب اخذ کیا۔ نور عین نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ سارہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ عمر ہاشم قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

”نور عین بہت سادہ مزاج ہے! تم جو بھی کہو گی

جل گئے اور ان کی راکھ باقی بچی تو آزد نے سنک کا نلکا کھول کر وہ راکھ بھی بہادی۔ آزد یہ کام ختم کر کے سکون سے چلتا ہوا واپس اس کے پاس آیا۔

”اپنی مرضی اور پسند سے کوئی کام کرنا تو دور کی بات ہے، ہم سانس بھی میری مرضی کے بغیر نہیں لے سکتی ہو۔“ آزد نے اس کا خدا بنتے ہوئے ٹیکر سے کہا تھا۔ افریشم نے سر جھکا دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آزد اس کی آنکھوں میں پھیلی نمی کو دیکھے۔

”میرے لیے انار کا فریش جوس لاؤ۔“ آزد نے حکم دیا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد افریشم نے سر اٹھایا تو اس کی بڑی اور خوب صورت آنکھوں میں سے موتی جیسے آنسو، رخسار پر پھیل گئے۔

☆☆☆

عمر ہاشم کی سولو ایگزیشن کا پہلا دن بہت کامیاب رہا۔ نمائش میں شریک ہونے کے لیے بہت سے عام لوگوں، آرٹ میں دلچسپی رکھنے کے علاوہ، شہر کے مشہور آرٹسٹ بھی شامل ہوئے تھے۔ سارہ نے بہت خوب صورت نیلے رنگ کا اسٹاکس گاؤن پہنا ہوا تھا۔ کمر تک آتے سلی اسٹیپ میں کٹے بال، گلے اور ہاتھوں میں ڈائمنڈ کی جیولری پہنے وہ بہت حسین نظر آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں ہے۔ سارہ اپنے بھائی کی کامیابی پر اس سے زیادہ خوش تھی۔ مختلف مہمانوں کے ساتھ تصاویر کھینچوا کر جب وہ فارغ ہوئے تو عمر ہاشم نے ریٹ وائچ میں وقت دیکھا اور پھر ایک نظر کافی دور موجود شیشے کے سلائیڈ ڈور پر ڈالی۔ اسے اپنا مطلوبہ چہرہ نظر نہیں آیا۔ اس وقت کسی نے مخاطب کیا تو عمر ہاشم اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نمائش کا وقت ختم ہونے میں تھوڑی دیر باقی رہتی تھی۔ جب عمر ہاشم نے اسے ہال کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”فائنلی“ عمر ہاشم بڑبڑایا۔ اس کی بڑبڑاہٹ ساتھ کھڑی سارہ کے تیز کانوں نے فوراً سن لی تھی۔

وہ مان لے گی۔“
 عمر ہاشم نے مسکراتے ہوئے کہا مگر نور عین کے
 چہرے کا رنگ اڑ گیا جیسے اس بات نے اسے ہرٹ کیا
 ہو۔

”آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں احمق ہوں؟“
 نور عین نے رندھے لہجے میں کہا۔ سارہ اور عمر ہاشم
 چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے جس پر ہلکی سرخی چھا گئی
 تھی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

”سوری! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ عمر ہاشم نے
 فوراً معذرت کی۔ اگر نور عین رونا شروع کر دیتی تو
 آس پاس موجود لوگوں کو وہ کیا وجہ بتاتا۔
 ”نور عین! میرے ساتھ آؤ۔“

اجانک سارہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور عمر ہاشم
 کے کچھ کہنے سے پہلے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھپتی ہوئی ایک
 طرف لے گئی۔ عمر ہاشم فکر مندی سے انہیں جاتا ہوا
 دیکھتا رہا۔ لوگوں کے رش کی وجہ سے فی الحال وہ ان
 کے پیچھے نہیں جانا چاہتا تھا۔ نمائش کا وقت ختم ہوا تو
 ہال لوگوں سے خالی ہونے لگا۔ عمر ہاشم نے سارہ اور
 نور عین کی تلاش میں نظریں گھمائی۔ کچھ دیر کی تلاش
 کے بعد، وہ سب اسے ایک کونے میں موجود سیٹنگ
 ایریا میں بیٹھے ہوئے مل گئے۔ ان کے سامنے کافی
 کے خالی گ رکھے ہوئے تھے۔ نور عین کو عمر ہاشم نے
 پہلی بار اتنا خستے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جواد اور سارہ کی
 باتوں پر کھل کر ہنس رہی تھی۔ دونوں بچے نور عین کے
 اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر لگ رہا تھا
 کہ نور عین سے اچھی دوستی ہو گئی ہے۔ عمر ہاشم اپنی
 حیرانی کو چھپاتا ہوا، ان کے پاس پہنچا۔ نور عین اسے
 دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی۔ عمر ہاشم نے اسے نظر انداز کر کے
 سارہ سے واپس چلنے کے بارے میں پوچھنے لگا۔

”عمر! تمہاری اس نمائش کی وجہ سے میرا تو بھلا
 ہو گیا۔“ سارہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔
 ”وہ کیسے؟“ عمر ہاشم نے مصروف انداز
 میں سوال کیا۔
 ”نور عین جیسی اچھی دوست ملنے پر!“ سارہ

جواد نے منہ بنا کر کہا تو سارہ نے اسے گھورا۔
 ”جی نہیں! نور عین تم بتاؤ کیا میں زیادہ بولتی
 ہوں؟“ سارہ نے فوراً نور عین سے سوال کیا۔
 سارہ کے پیچھے کھڑے جواد نے دونوں ہاتھ
 پھیلا کر اشارے سے ”بہت زیادہ“ کہا تو نور عین نفی
 میں سر ہلاتی ہنس پڑی۔ سارہ نے سر گھما کر پیچھے
 کھڑے شوہر کی طرف دیکھا۔ جواد کندھے اچکا کر عمر
 ہاشم کی طرف بڑھ گیا۔ عمر ہاشم زرب لب مسکرانے لگا۔
 ”دوست! شادی شدہ زندگی کا سچ بس وہ ہی
 ہے جسے بیوی مان لے۔“ جواد نے عمر ہاشم کے پاس آ
 کر کہا۔ عمر ہاشم نے ہمدردی سے اس کے کندھے پر
 ہاتھ رکھا تھا۔ وہ سب باتیں کرتے ہوئے ہال سے
 باہر نکلے سارہ اور جواد بچوں کے پیچھے تھوڑا آگے نکلے تو
 عمر ہاشم نے سامنے دیکھتے ہوئے سر جھکا کر چلتی
 نور عین کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔
 ”مجھے دوست تو مانا نہیں اور دوسروں سے فوراً
 دوستی کر لی۔“

عمر ہاشم کہہ کر رکنا نہیں۔ نور عین نے چونک کر
 اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ سارہ بچوں کا گاڑی میں
 بٹھا رہی تھی۔
 ”کم آن نور عین! ہم تمہیں ڈراپ کر دیں گے۔“
 سارہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا مگر
 نور عین نے نرم لہجے میں معذرت کر لی۔
 ”اچھا پھر کل شام ملتے ہیں۔“

سارہ نے اس کا موبائل نمبر لے لیا تھا۔ اس کا
 ارادہ نور عین کے ساتھ شاپنگ پہ جانے کا تھا۔ نور عین
 نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔
 وہ سب گاڑی میں بیٹھ گئے تو نور عین سر
 جھکاتے ہوئے چوڑی سڑک پر بنی فٹ پاتھ پر چلنے

گئی۔ وہ آس پاس گزرنے والی ٹریفک، لوگوں سے یکسر انجان اپنی دھن میں مگن چل رہی تھی۔ عمر ہاشم نے اس منظر پر سرسری نظر ڈالی مگر اس کے اندر کو آرٹسٹ کو یہ منظر بہت مکمل لگا۔

ڈوبتی ہوئی شام کی صفت کے رنگ میں ڈوبا ہوا منظر بہت دلکش تھا۔ فٹ پاتھ کے دوسری طرف لگے درختوں کے سائے میں دونوں ہاتھ اپنے گرد لپیٹے، پاؤں کے نیچے آتے چند خشک پتوں پر چلتے ہوئے وہ لڑکی شام کے کسی انجان اور ان کہے رنگ کا حصہ لگ رہی تھی۔

عمر ہاشم کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ اپنی عالی شان گاڑی سے نیچے اتر جائے اور اس عام سی لڑکی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے اور دیکھے کہ شام کہیں دور افق پار ڈوبے گی یا وہ دونوں اس شام میں ڈوب جائیں گے.....! ہمیشہ کے لیے.....!!

عمر ہاشم نے گہری سانس لے کر گاڑی اشارت کی اور اپنی نظریں سڑک پر مرکوز کر دیں۔ وہ سارہ اور جواد کی باتوں کا جواب ہوں ہاں میں دے رہا تھا۔ اس نے پہلی بار زندگی میں ایک خیال سے عجیب سا سرور کشید کیا تھا۔ اسے یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ یہ کیسا سرور ہے جو اس کے اندر کسی سے ملنے کی طلب کو شدت سے بڑھا رہا تھا؟

☆☆☆

افریٹیم نے جلدی جلدی بات کر کے فون سامنے بیٹھے آزد کو پکڑا دیا۔ آزد ہفتے میں ایک بار افریٹیم کی بات، پاکستان اس کے گھر والوں سے کروا دیتا تھا۔ بات بھی کیا ہوتی تھی۔ آزد ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر صوفے پر بیٹھ جاتا۔ جب تک افریٹیم فون پر بات کرتی رہتی، اس کا ایک پاؤں مسلسل حرکت میں رہتا۔ جیسے وہ اندر سے بہت بے چین ہے۔ افریٹیم بمشکل دس سے پندرہ منٹ بات کر پاتی۔ وہ بھی حال احوال پوچھنے کی حد تک۔!

اس کے غریب والدین اور بہن بھائیوں کے لیے افریٹیم کا دینی میں ہونا، جیسے کسی جنت میں ہونے

کے برابر تھا۔ آزد نے اس شادی کے عوض جو بڑی رقم شادی کی تیاری اور حق مہر کے طور پر دی تھی، وہ لوگ آج بھی اس رقم پر عیش کر رہے تھے۔ افریٹیم کے باپ نے ان پیسوں سے گھر پکا کر دیا، گھر کے باہر کریانے کی چھوٹی سی دکان بڑے بیٹے کو کھول دی تھی۔ اس کے ہڈ حرام اور نکمے چھوٹے پھانسی نے نئی بایک خرید لی تھی۔ افریٹیم کی دونوں چھوٹی بہنوں کی بارات کا انتظام بھی ان پیسوں سے ہو گیا تھا۔ افریٹیم زخمی دل کے ساتھ اپنے گھر والوں کی خوشی سے بھرپور آواز سنتی رہتی۔

وہ افریٹیم کو بتاتے کہ دینی میں کون سی چیز بہت اچھی ملتی ہے۔ کوئی چیز اسے اپنے گھر والوں کے لیے ضرور لانی چاہیے۔ افریٹیم ہوں ہاں میں سر ہلا دیتی۔ ان میں سے کسی کو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ افریٹیم وہاں کس حال میں ہے؟ اپنی سے دگنی عمر کے مرد سے شادی کر کے کیا وہ خوش بھی ہے؟ آزد کا سلوک اس کے ساتھ کیسا ہے؟ پچھلے دو سال سے وہ ایک بار بھی پاکستان نہیں آئی ہے۔ اس نے پاکستان کب آنا ہے؟

افریٹیم یہ سب سننا چاہتی تھی مگر وہ اس سچ سے واقف تھی کہ اس کی شادی کے وقت آزد نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ سسرال والوں سے ایک فاصلہ رکھنا پسند کرے گا۔ ہفتے میں ایک بار فون پر بات تو کروادے گا مگر ملنا، ملانا، یہ سب اس کی مرضی سے ہوگا۔ افریٹیم کے والدین کو کیا اعتراض ہوتا تھا۔ افریٹیم تو پھر بھی دینی جا رہی تھی۔ ایسے رویے تو پاکستان میں بھی عام تھے جہاں سسرال والے بہو کا میکے جانا پسند نہیں کرتے۔ یا میکے جانے کے نام پر ہمیشہ ایک دنگل ہوتا تھا۔

افریٹیم نے فون بند کر کے آزد کو پکڑا دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ وہ لب کاٹتی آزد کے پاس کھڑی رہی۔

”کچھ کہنا چاہتی ہو؟“ آزد ظالم صیادی طرح، اپنے قیدی کے ہر حال سے اچھی طرح واقف تھا۔

”آں.....اوہ امی کہہ رہی تھیں۔“ افریشم کہتے ہوئے چپ کر گئی۔

”تم جانتی ہو کہ مجھے انتظار سے نفرت ہے۔“ آزد نے اس کے چپ ہونے پر غصے سے کہا۔

”امی کہہ رہی تھیں کہ دو سال ہو گئے ہیں اور بچہ۔۔۔“ افریشم گھبرا کر کہتے ہوئے چپ کر گئی۔

آزد ادھورے جلے سے پوری بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

”کیا تمہاری بھی یہ خواہش ہے؟“ آزد نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

”مجھے بچے اچھے لگتے ہیں۔“ افریشم نے سر جھکا کر ایسے اعتراف کیا جیسے یہ اس کی غلطی ہو۔ آزد کچھ

دیر خاموش رہا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

”ٹھیک ہے اگر تم سچ سننا چاہتی ہو تو سنو!“ آزد نے کسی فیصلے پر پہنچ کر کہا۔ افریشم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”تم جانتی ہو کہ یہاں آنے سے پہلے تمہارے کچھ میڈیکل ٹیسٹ ہوئے تھے؟“ آزد نے

سنجیدگی سے کہا۔ افریشم نے اثبات میں سر ہلایا۔

اسے نہیں پتا کہ وہ ٹیسٹ کس چیز کے ہوئے تھے کیونکہ ہر جگہ آزد اس کے ساتھ تھا۔ ساری رپورٹس بھی اس نے وصول کی تھیں۔

”ان رپورٹس کے مطابق تم ماں نہیں بن سکتی ہو۔“ آزد نے سنجیدگی سے کہا۔ افریشم اپنی جگہ ساکت

رہ گئی۔

”یہ کیسے ممکن ہے۔“ افریشم بے دم ہو کر زمین پر بیٹھ گئی۔

”میڈیکل کہتی ہے۔ تمہیں تو میرا احسان ماننا چاہیے کہ میں نے یہ سچ جان کر بھی تمہیں چھوڑا نہیں ہے۔“

آزد نے طنزیہ انداز میں کہا۔ افریشم بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”مجھے بلاوجہ روتی دھوتی عورت نہ لگتی ہے۔ دس منٹ بعد کافی بنا کر میرے کمرے میں لاؤ۔“

آزد نے حکم سناتے ہوئے کہا اور مطمئن انداز میں اٹھ کر اپنی اسٹڈی روم چلا گیا۔ لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”احتمال لڑکی اماں بننے کا شوق لیے بیٹھی تھی۔“ آزد نے نفرت سے سوچا۔

اس نے افریشم جیسی غریب گھرانے کی، ایف۔ اے پاس لڑکی سے شادی اسی لیے کی تھی کہ وہ اس کی زندگی کو اپنی مرضی سے گزار سکے۔ آزد ان لوگوں

میں سے تھا جو ایک ساتھ دو دو زندگیاں جیتے ہیں۔ ایک اپنی زندگی۔۔۔!

اور ایک اپنے محکوم کی زندگی۔۔۔!

☆☆☆

عمر ہاشم نے تقریباً ایک ہفتے کے بعد نورعین کو اپنے اسٹوڈیو میں دیکھا تھا۔ اس کی سولوا ایگزیکشن

توقع سے زیادہ کامیاب رہی تھی۔ اس کا تقریباً تمام کام ہاتھوں ہاتھ بک گیا تھا۔ عمر ہاشم وہاں سے فارغ

ہو کر اپنے اسٹوڈیو آیا تو اس کے بہت سے شاگرد منتظر تھے۔ عمر ہاشم سب سے خوش گوار انداز میں حال چال

پوچھتا جب اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو ہال کے ایک کونے میں بیچ ریٹیشی نورعین کو دیکھ کر رک گیا۔

وہ اپنے گود میں رکھی شیٹ پر پینسل سے کچھ بنا رہی تھی۔ عمر ہاشم مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

”اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کر۔“

عمر ہاشم کی آواز پر نورعین نے سر اٹھا کر دیکھا۔

عمر ہاشم کو وہ پہلے سے کچھ بدلی بدلی لگی۔ شاید اس کے چہرے پر آیا اعتماد کا رنگ نیا تھا۔

”سارہ کہتی ہیں کہ میری ڈرائنگ بہت اچھی ہے۔ مجھے ضرور یہاں آنا چاہیے۔“ نورعین نے فخریہ انداز میں کہا۔ تو عمر ہاشم نے سمجھ کر سر ہلایا کہ سب

اعتماد سارہ کا دیا ہوا تھا۔

”گڈ او! یہ سارہ نے کبھی یہ میرے کام کے بارے میں نہیں کہا۔“

عمر ہاشم نے مسکرا کر کہتے ہوئے نورعین کی گود میں رکھی ڈرائنگ شیٹ اٹھالی۔ وہ اس کے بنائے اچھے

کو چند منٹ تک دیکھتا رہا۔
ہمیشہ سے صرف ایک ہی رنگ رہا تھا۔
محرومی کا۔۔۔!!

☆☆☆

”بیگم صاحبہ! آپ کا ایک عدد مسکین شوہر اور دو
پیارے پیارے بچے بھی ہیں۔“
سارہ تھکی ہارنی شام ڈھلے گھر واپس لوٹی تو
لاؤنج میں بچوں کے ساتھ کارٹونز دیکھتے جواد نے
طنز یہ انداز میں کہا۔
”اب احساس ہوا کہ جب آپ کا لائف پارٹنر،
اپنی مصروفیات میں مسلسل نظر انداز کرے تو کیسا لگتا
ہے؟“ سارہ نے مطمئن انداز میں صوفے پر بیٹھتے
ہوئے کہا۔

”میں نے کب نظر انداز کیا؟“

جواد بحث کرنے کے موڈ میں تھا۔ مگر سارہ نے
جواب نہیں دیا۔ وہ شیشے کی میز پر رکھے کرسٹل کے
نازک سے گلدان کو دیکھتی ہوئی کسی سوچ میں گم تھی۔
جواد نے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر بیوی کے حسین
مگر پرسوج چہرے کی طرف دیکھا۔ پھر بچوں کو کارٹونز
میں مگن دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور سارہ کے پاس آ کر
صوفے پر بیٹھ گیا۔ سارہ نے گردن گھما کر اس کی
طرف دیکھا۔

”پریشان ہو؟“ جواد نے سنجیدگی سے سوال کیا
سارہ چند لمحے خاموشی سے اپنے شوہر کی طرف
دیکھتی رہی۔ جس کے چہرے پر محبت کا مخصوص نرم سا
تاثر اور ان کے لیے ڈھیر ساری فکر موجود تھی۔
”اتنے سال گزر جانے کے باوجود تم مجھ سے
بے خبر نہیں ہوئے۔“ سارہ نے ہلکی مسکراہٹ کے
ساتھ کہا۔

جواد نے کشن گود میں رکھا اور اس کی طرف دیکھ
کر مسکرانے لگا۔
”تم نے کبھی یہ نوبت آنے بھی تو نہیں دی ہے
“جواد نے معنی خیز انداز میں کہا۔
”یعنی سارا کمال میرا ہے۔“ سارہ نے فخریہ
انداز میں کہا۔

”ہاتھ میں صفائی تو ہے۔“ عمر ہاشم نے سر
ہلاتے ہوئے سراہا تھا۔ نور عین کا چہرہ خوشی سے کھل
اٹھا۔

”کیا میں بھی آپ کی طرح پینٹنگ بنا سکوں گی؟“

نور عین نے اشتیاق سے سوال کیا۔ عمر ہاشم نے
اس کی طرف دیکھا۔ نور عین کے پشت پر کھڑکی کھلی
ہوئی تھی۔ جہاں سے سورج کی نرم شعاعیں اندر آ کر
اس کے وجود میں منعکس ہو کر ہر طرف پھیل رہی تھیں
۔ دھوپ کے کئی رنگوں میں سے اس کے وجود کے گرد
ہلکا سنہری سا ہالہ بن رہا تھا۔

”پتا نہیں کیوں؟ یہ لڑکی ہر منظر کا کھویا ہوا حصہ
لگتی ہے۔“ عمر ہاشم نے بے اختیار سوچا۔

”تم مجھ سے بہتر پینٹنگ بنا لو گی۔ بس شرط یہ
ہے کہ تم دل لگا کر کام سیکھو۔“ عمر ہاشم نے اس کی
حوصلہ افزائی کی تھی۔

”مگر میرے پاس رنگ نہیں ہیں۔ میرا بنایا ہر
خاکہ ہمیشہ بے رنگ ہی رہے گا۔“ نور عین نے بے
دلی سے کہا۔

”میں تمہیں اپنے رنگ دے دوں گا۔“
عمر ہاشم نے بے اختیار کہا۔ نور عین نے بے
خیالی میں عمر ہاشم کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہوں کا
رنگ ایک دوسرے سے مل رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے
دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکے تھے۔ دونوں نے
فورا اپنی اپنی نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ عمر ہاشم نے اپنی
رسٹ وائچ میں وقت دیکھا۔
”کلاس میں ملتے ہیں۔“

عمر ہاشم نے نور عین کو یاد دہانی کروائی اور
مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ نور عین نے اس کے
جانے کے بعد اپنے بنائے انچ کی طرف دیکھا۔
”کیا میں بھی کبھی رنگوں کی زبان سمجھ سکوں گی؟
کیا یہ رنگ میرے ہاتھ پر بھی کھلے گے؟“ نور عین
نے اداسی سے اپنی بے رنگ ہیلی کو دیکھا تھا۔ جہاں

”سارہ کا تو صرف جواد ہے۔ کمال کسی اور کا ہو گا۔“ جواد نے شرارت سے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

تم نور عین سے مل کر آ رہی ہو۔“ جواد نے سر سری انداز میں سوال کیا۔

”ہاں!“ سارہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

”تمہاری نور عین سے بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے۔“ جواد نے مطمئن انداز میں کہا تو سارہ نے اپنی بھنویں اچکا کر شوہر کی طرف دیکھا۔

”دوستی؟ ہرگز نہیں۔“ سارہ نے نخوت سے کہا۔ جواد حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

”میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ لڑکی میرے بھائی کے قابل ہے بھی یا نہیں۔“ سارہ نے مطمئن انداز میں کہا۔

”مطلب؟“ جواد نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

”میرے خوب صورت، قابل بھائی کے ساتھ لڑکی بھی تو ویسی ہی سوٹ کرے گی ناں!“ سارہ نے لاپرواہی سے کہا۔

”ایک منٹ سارہ! تم محبت میں کب سے ایسے حساب کتاب رکھنے لگ گئی ہو؟“ جواد اس کی سوچ پر حیران تھا۔

”محبت سب کو ہو یہ ضروری تو نہیں۔ ابھی تو عمر ہاشم اے صرف پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔“ سارہ نے جلدی سے کہا۔

”یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟“ جواد نے پرسوج انداز میں سوال کیا۔

”میں عمر ہاشم کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔“ سارہ نے پورے یقین سے کہا تو جواد اچھے انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

”کیا تمہیں نور عین پسند نہیں ہے؟“ جواد نے سوال کیا۔

”نہیں!“ سارہ نے قطعی انداز میں کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

”ویری اسٹریچ۔ (بہت عجیب)“

جواد نے خود کلامی کی تھی۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں تھیں۔ وہ عمر ہاشم کے رویے میں ایک واضح تبدیلی محسوس کر چکا تھا۔ اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ عمر ہاشم نور عین میں گہری دلچسپی رکھتا ہے مگر دوسری طرف وہ سارہ کے رویے سے ٹھنک گیا تھا۔ سارہ کے ضدی مزاج سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھا۔ سارہ میں حاکمیت تھی۔ جواد بہت سی جگہوں پر اس کی مان لیتا جس کی وجہ سے سارہ کی یہ عادت مزید پختہ ہو گئی تھی۔ جواد دل میں پریشان تھا کہ کہیں دونوں بہن، بھائی ایک دوسرے کے سامنے نہ آ کر کھڑے ہو جائیں۔

☆☆☆

”کیا؟“ سیماں حیرت سے منہ کھولے، سامنے اداس بیٹھی افریشم کو دیکھ رہی تھی۔

”تم ماں نہیں بن سکتیں؟“ سیماں حیدر نے پھر دہرایا۔ افریشم نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”مجھے تفصیل سے ساری بات بتاؤ۔“ سیماں نے سنجیدگی سے سوال کیا تو افریشم آہستہ آواز میں انہیں سب بتانے لگی۔ پوری بات سن کر ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”اف مائی گاڈ!“ سیماں نے اپنا سر تھام لیا۔

”کیا ہوا؟“ افریشم نے گھبرا کر پوچھا۔

”مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے والدین نے تمہارے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا۔“ سیماں نے تپ کر کہا۔

”مطلب؟ ان کا کیا قصور؟“ افریشم نے معصومیت سے سوال کیا تو وہ افسوس بھری نگاہ سے دیکھ کر رہ گئی۔

”تم بہت پیاری، بہت معصوم ہو افریشم! مگر یہ دنیا ایسی نہیں ہے۔“ سیماں نے نرمی سے اس کے گال کو چھوا تھا۔ افریشم اچھے ہوئے انداز میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”غربت اتنی ظالم تو نہیں کہ انسان سے جینے کا حق چھین لے۔“ سیماں نے اداسی سے کہا۔

”آپ نے غربت کا عفریت بھلا دیکھا ہی کب ہے؟ وہ تو ہر رشتے، ہر احساس، ہر چیز کو کھا جاتا ہے۔“ افریشم نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

”سنو افریشم! غربت سے زیادہ خطرناک، مایوسی ہوتی ہے۔ مایوسی جو شیطان کا راستہ ہے۔ اس راستے پہ چلنے والوں کو اللہ بھی نہیں ملتا۔“ سیماں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مضبوط لہجے میں کہا۔

”میں مایوس تو نہیں ہوں۔“ افریشم نے جلدی سے کہا۔

”تو اور کیا ہو؟ اس لیے اپنے پر ہوئے کسی ظلم، کسی زیادتی کے خلاف آواز بلند نہیں کرتیں۔“

سیماں نے ترس بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

”ایسا نہیں ہے۔ آزد اچھے ہیں۔ بس غصے کے تیز ہیں۔“ افریشم نے نگاہیں جھکا کر کہا۔ سیماں کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں۔

”تم کل میرے ساتھ چل سکتی ہو؟“ سیماں حیدر نے سنجیدگی سے کہا۔

”کہاں؟“ افریشم نے حیرت سے سوال کیا۔

”میری ایک دوست گانا کالوجسٹ ہے۔ اس سے ملنے۔ بے فکر رہو۔ تمہارے شوہر سے اجازت میں لے لوں گی۔“ سیماں نے سنجیدگی سے کہا تو افریشم نے سر ہلا دیا۔

”آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ۔۔“ افریشم کچھ کہتے ہوئے رک گئی۔

”بے فکر رہو افریشم! تم مجھے چھوٹی بہنوں کی طرح عزیز ہو۔ میں حیدر سے کسی بات کا ذکر نہیں کروں گی۔“ سیماں نے کہا تو افریشم نے سکون بھری سانس لی۔

پچھلے تین مہینے سے افریشم، آزد کے کیے انکشاف پر اندر ہی اندر گھٹ کر مر رہی تھی۔ آج وہ سیماں کے گھر موجب سے ملنے آئی تو اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بار بار اپنی کمی کا سوچ کر غم ہوئی آنکھوں کو صاف کرتی رہی۔ سیماں کو تھوڑا بہت افریشم کے حالات کا اندازہ تھا۔ اس لیے جب

موجب اٹھ کر اندر چلا گیا تو اس نے بہت محبت سے افریشم سے اداسی کی وجہ پوچھی۔

افریشم جو پہلے ہی ذہنی توڑ پھوڑ کر شکار تھی، وہ مزید خود پر ضبط نہیں رکھ سکی اور اپنے دل کا حال کہہ بیٹھی۔ جسے سن کر سیماں ہکا بکا رہ گئی۔ اس نے افریشم کو تسلی دی۔

گلے دن سیماں آزد کے موجودگی میں ان کے گھر آئی۔ آزد خوش دلی سے ملا کیونکہ حیدر سے اکثر اسے کوئی نہ کوئی کام پڑ ہی جاتا تھا۔ سیماں حیدر نے پریشانی سے بتایا کہ اسے آج لازمی ڈاکٹر کے پاس جانا ہے مگر حیدر کے مصروف ہونے کی وجہ سے اکیلی نہیں جاسکتی۔ اس لیے افریشم کو ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ آزد نے تھوڑی سوچ بچار کے بعد افریشم کو جانے کی اجازت دے دی۔ افریشم تقریباً دو گھنٹے کے بعد واپس آئی۔ تب تک آزد جلے پاؤں کی بلی کی طرح ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ افریشم واپس آئی تو آزد نے سخت لہجے میں اس سے تفصیل پوچھی۔

”ان کا معمول کا چیک اپ تھا مگر آج ہسپتال میں رش ہونے کی وجہ سے دیر ہوئی۔“

افریشم نے سیماں کے سمجھائے جملے دہراتے ہوئے کہا تو آزد نے سر ہلا دیا۔ افریشم نے دل میں شکر ادا کیا کہ آزد کو اس پر شک نہیں ہوا تھا۔ اسے بے چینی سے اپنی رپورٹس کا انتظار تھا۔ جو کچھ دن کے بعد ملنی تھیں۔

☆☆☆

عمر ہاشم نہ صرف ایک بہترین آرٹسٹ تھا بلکہ وہ ایک زیرک اور قابل استاد بھی تھا۔ اپنی اکیڈمی میں آئے، آرٹ کے شوقین لوگوں کو اتنی دجمعی اور شوق سے لیکچر دیتا کہ لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے۔ نورعین کو کچھ عرصے میں اندازہ ہو گیا کہ عمر ہاشم کو یہ کامیابی، یہ عروج ایسے ہی نہیں ملا۔ وہ اپنے کام، اپنے پیشے کے ساتھ بہت ایمان دار تھا۔ نورعین جو پہلے صرف انجان بناتی تھی، اب اس نے پینٹنگ کی طرف بھی دھیان دینا شروع کر دیا تھا۔ عمر ہاشم اس

کی ہر غلطی، ہر خامی کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا۔

ایک دن وہ دونوں اکیڈمی آف ہونے کے بعد باہر نکلے تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

”کافی پیو گی؟“ عمر ہاشم نے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا مگر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے قدم کافی شاپ کی طرف موڑ دیے۔

نور عین سر جھکا کر اس کے قدموں کے نشان پر چلنے لگی۔ کافی شاپ کے پاس پہنچ کر عمر ہاشم نے گردن گھما کر دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

”نور عین! راستوں پر چلتے ہوئے، اپنی توجہ آس پاس مرکوز رکھتے ہیں۔“ عمر ہاشم نے اس کے سر جھکا کر چلنے پر چوٹ کی تھی۔

”مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ آپ کے پیچھے چلتے ہوئے میں ٹھوکر نہیں کھا سکتی۔“ نور عین نے سادگی سے کہا۔

عمر ہاشم ایک لمحے کے لیے اس یقین، اس اعتماد پر برف کے تجسس میں تبدیل ہو گیا۔ ”اتنا یقین؟“ عمر ہاشم نے اپنا آرڈر ریو کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں! دوست تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ نور عین نے عمر ہاشم کے ہاتھ سے کافی کا کپ اور ڈونٹ پکڑتے ہوئے کہا۔

”شکر ہے تم نے مجھے دوست تو مانا۔“ وہ دونوں چلتے ہوئے قریبی پارک کے بیچ برآ کر بیٹھ گئے تھے۔ پارک میں جگمگاتی روشنیوں کو دیکھتے وہ اپنی اپنی کافی کو پیتے زندگی کا سب سے خوب صورت لمحہ جی رہے تھے۔

”تمہیں سردی اچھی لگتی ہے۔“ عمر ہاشم نے سر اٹھا کر فضا میں پھیلی ہلکی سے خلی کو محسوس کرتے ہوئے خوشی سے سوال کیا۔

”نہیں!“ ایک دم نور عین کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ اس کے گرفت کافی کے کپ پر سخت ہو گئی کہ کافی چھلک پڑی

۔ نور عین ایک دم چونکی۔ عمر ہاشم نے فوراً جیب سے رومال نکالا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”بے وقوف لڑکی ازبایدہ تکلیف تو نہیں ہو رہی؟“ عمر ہاشم نے اس کے ہاتھ کو فوراً سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بہت جلن ہو رہی ہے۔“ نور عین نے رندھے ہوئے انداز میں کہا۔ عمر ہاشم پریشان ہو گیا۔

”یہاں پاس میں ایک ہاسپٹل ہے۔ ہم وہاں چلتے ہیں۔“ عمر ہاشم جلدی سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر نور عین بیٹھی رہی۔

”کیا ہوا؟“

عمر ہاشم نے گردن موڑ کر حیرانی سے بیٹھی ہوئی نور عین کی طرف دیکھا۔ جو بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک دم وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ عمر ہاشم حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا جس کی آنکھیں رورہی تھیں مگر وہ ہنس رہی تھی۔ عمر ہاشم کو اس وقت وہ اسے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں عمر ہاشم! یہ بھی کوئی تکلیف تھی؟“ نور عین ہنستے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی اور تھوڑا آگے جا کر سائیڈ پر لگے ڈسٹ بن میں ٹھنڈی کافی کا کپ پھینک دیا۔

”چلیں۔“ نور عین اپنے دھیان میں آگے بڑھی۔ جب ایک دم رک گئی۔ نور عین نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا مگر اس کا ہاتھ عمر ہاشم کے ہاتھ میں تھا۔

”نور عین!“ عمر ہاشم نے پکارا۔ نور عین کو لگا کہ اگر وہ پیچھے مڑ کر دیکھے گی تو آج سب بھرم ٹوٹ جائیں گے۔ ہر سچ بے نقاب ہو جائے گا۔ پھر وہ نہیں رہے گی، عمر ہاشم، عمر ہاشم نہیں رہے گا۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی مگر عمر ہاشم کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ نور عین نے اس لمحے جانا کہ بعض لمس زندگی ہوتے ہیں۔ وہ مردہ دلوں کو زندہ کرنے کی انوکھی صلاحیت رکھتے ہیں۔

”نور عین! تم ٹھیک نہیں ہو۔“ عمر ہاشم نے نرم لہجے میں کہا۔ نور عین نے گردن موڑ کر اس کی طرف

دیکھا۔ جس کے چہرے پر سب جان لینے کا تاثر تھا۔ وہ نورعین کی ہنسی میں چھپے دکھ کی آہٹ محسوس کر چکا تھا۔ نورعین کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے زندگی کے احساس سے جگمگاتی تھیں مگر فوراً ہی وہ بولتی آنکھیں ہر احساس سے عاری بن گئیں۔

”عمر ہاشم! راستوں میں ہاتھ پکڑنے والے، منزل پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔“ نورعین نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ٹھیک ہے! راستے میں ہاتھ چھوڑ رہا ہوں۔ منزل پہ تمام لوں گا۔“

عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر چلنے لگا۔ واپسی کے راستے وہ دونوں خاموش تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ عجیب سے کیفیت کا شکار تھے۔

”میں گھر ڈراپ کر دوں؟“ عمر ہاشم نے سوال کیا اور جواب ہمیشہ کی طرح نفی میں تھا۔ نورعین خاموشی سے میٹر و اسٹیشن کی طرف چل پڑی جو وہاں سے کچھ فاصلے پر تھا۔ عمر ہاشم اسے چپ چاپ جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

میں ہواؤں سے ہراساں، وہ گھٹن سے دل گرفتہ
میں چراغ تیرگی کا، وہ گلاب روشنی کا!

☆☆☆

افریٹیم حیرت کے ساتھ سامنے بیٹھی ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر اس کی رپورٹس دیکھتے ہوئے مسکرا کر سب ٹھیک ہے کا بتا رہی تھی۔

سیمان نے جتنی ہوئی نظروں سے افریٹیم کی طرف دیکھا تھا۔

”میرا اندازہ درست نکلا۔“ واپسی کے سفر میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے سیمان نے سنجیدگی سے کہا۔ افریٹیم کم مضم تھی۔

”آزد تمہیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ وہ معمولی میڈیکل چیک اپ کو اپنے مقصد کے لیے بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا تا کہ تم مطمئن ہو جاؤ۔“ سیمان نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”مگر کیوں؟“ افریٹیم نے خیرت سے سوال کیا

۔ سیمان کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
”تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ سیمان نے فوراً سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”ایک بات بتاؤ افریٹیم! تمہاری زندگی میں پہلے کیا چیز نارمل ہے؟“ سیمان نے کہا تو افریٹیم سر جھکاتے ہوئے آنسو بہانے لگی۔

”افریٹیم! آزاد ذہنی مریض ہے۔ اسے کسی اچھے ماہر نفسیات کی ضرورت ہے۔ تم اس کی بیوی ہو۔ مجھ سے زیادہ اچھی طرح جان سکتی ہو کہ اس کی عادتیں بہت عجیب ہیں۔ وہ اذیت پسند ہے۔ شکی مزاج۔ مجھے تو لگتا ہے کہ۔۔۔“ سیمان کہتے ہوئے چپ کر گئی۔

”کیا لگتا ہے؟“ افریٹیم نے سر اٹھا کر پریشانی سے سوال کیا۔

”کسی دن وہ تمہیں جانی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔“ سیمان نے پریشانی سے کہا۔ افریٹیم کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

”افریٹیم! تمہیں ہمت کرنی ہوگی۔ ہر وقت چوکنا رہو۔ اس کے ساتھ اکیلے سفر مت کرو اور اپنے پاس حفاظت کے لیے کوئی چیز ضرور رکھا کرو۔“

سیمان جلدی سے ہدایت دینے لگی کیونکہ وہ اپنی بلڈنگ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ سیمان نے دور سے ہی بالکونی میں کھڑے آزاد کو دیکھ لیا تھا۔

”کیا وہ سچ میں ایسا کر سکتے ہیں؟“ افریٹیم نے گاڑی سے اترتے ہوئے گھبرائے لہجے میں کہا۔

”کیا تمہیں ابھی بھی شک ہے؟“ سیمان نے فکر مندی سے کہا۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر کر اپنی بلڈنگ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

”تمہاری رپورٹس میرے پاس امانت ہیں۔ کوئی مناسب وقت دیکھ کر مجھ سے ملے جانا۔“ سیمان نے سرگوشی کی۔ کیونکہ آزاد تیزی کے ساتھ لفٹ میں سے باہر نکل رہا تھا۔

”سوری آزاد بھائی! ہمیں دیر ہو گئی۔“ سیمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں بھابھی!“

آزد نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور پھر سیماس حیدر کو خدا حافظ کہہ کر افریشم کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ساتھ مجبوری میں جاتی افریشم نے سرگھما کر سیماس کی طرف دیکھا۔ سیماس کو اس لمحے وہ بہت معصوم اور ڈری ہوئی لگی تھی۔

”میرا کیا قصور ہے؟“

افریشم نے اپنے رخسار پر ہاتھ رکھتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔ آزد نے اپارٹمنٹ کے اندر داخل ہوتے ہی افریشم کے منہ پر زور کا تھپڑ مارا تھا۔ ”پاگل کی بجی! تمہیں کتنی بار منع کیا کہ اس عیارو مکار عورت سے تعلق مت رکھو مگر۔۔۔“ آزد ساری تہذیب اور رتیز بھلائے جاہلوں کی طرح بولتے ہوئے اپنا غصہ اتار رہا تھا۔

”سیماس بھابھی نے آپ سے اجازت لی تھی۔“ افریشم نے خوف زدہ انداز میں کہا۔ اس کے ذہن میں سیماس کی ساری باتیں گونج رہی تھیں۔

”حیدر آفس میں میرا سنیر ہے۔ میں اس کی بیوی کو منع کر کے اپنے لیے مسئلہ پیدا نہیں کر سکتا تھا۔“ آزد نے غصے میں اصل وجہ بتائی تو افریشم کو اب سمجھ میں آیا کہ کیوں آزد نے اسے سیماس حیدر کے ساتھ جانے کی اجازت دی تھی۔

”آئندہ تم ان کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی۔ کوئی بھی بہانہ کر دینا۔ آئی سمجھ میں۔“ آزد نے غصے سے کہا تو افریشم نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آزد منہ میں بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ افریشم دھڑکتے دل کے ساتھ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ آزد کے اتنے روپ تھے کہ اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کس پر افسوس کرے، کس پر ہنسے، یا کس پر روئے۔

☆☆☆

”سارہ واپس چلی گئی ہیں؟“

پینٹنگ کی کلاس ختم ہوئی تو فری ٹائم میں دونوں کافی پیئے کینے ٹریا میں آ گئے۔ جب نورعین نے سوال کیا۔

”سارہ؟ کیا اس ویک اینڈ پر تم دونوں نہیں ملے؟“ عمر ہاشم نے چونک کر سوال کیا تو نورعین نے نفی میں سر ہلایا۔

”اس ویک اینڈ؟ مطلب سارہ پاکستان نہیں آئیں گی۔“ نورعین نے حیرت سے دہرایا۔ عمر ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا تو نورعین کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”مگر مجھے تو وہ کہہ رہی تھیں کہ.....“ نورعین ایک دم چپ کر گئی۔ عمر ہاشم کو اس کی ادھوری بات نے جھٹکا پہنچایا۔

”نورعین تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں!“ نورعین نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے، اپنا بیک کندھے پر ڈالا۔

”مجھے ہمیشہ یہ سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے کہ کون میرا دوست ہے اور کون نہیں۔“ نورعین نے سنجیدگی سے کہا۔ مگر عمر ہاشم کو اس کے لہجے میں کمی کا احساس ہو گیا تھا۔

”نورعین!“ عمر ہاشم نے نرمی سے پکارا۔ نورعین نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ عمر ہاشم کو نورعین اور سارہ میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

”میں سارہ کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔

نورعین حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

”اب کیا ہوا؟“ عمر ہاشم اس کی حیرت پر الجھ کر رہ گیا تھا۔

”آپ کو میری بات کا اتنا اعتبار ہے؟“ نورعین نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہاں! میں تم پر بہت اعتبار کرتا ہوں۔ نورعین مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔“

نیند کی گولی افریشم کو کھلائی اور اسے بستر پر لٹا دیا۔ کل رات سے مسلسل روتی ہوئی افریشم بہت جلد نیند کی وادی میں اتر گئی مگر وقفے وقفے سے اس کی سسکیاں نیند میں بھی گونج رہی تھیں۔ سیماں ہمدردی سے اسے دیکھنے لگی۔ جس کی قسمت میں سوائے دکھ اور سختی کے کچھ نہیں تھا۔ باپ کی اچانک موت کی خبر نے افریشم کو توڑ کر رکھ دیا تھا

آزد کا کولیگ ہونے کی وجہ سے حیدر کو آفس میں یہ خبر مل گئی اور اس نے اپنی بیوی کو فون کر کے افریشم کے پاس جانے کا کہا۔ سیماں صبح سے افریشم کے پاس ہی تھی۔ حیدر تو بہت حیران تھا کہ آزد اپنی بیوی کو غم کی حالت میں اکیلا چھوڑ کر آفس کیوں آگیا تھا؟ اگر سیماں افریشم کے پاس جا کر دل جوئی نہ کرتی تو اس کے لیے سنبھلنا بہت مشکل تھا مگر سیماں کی تسلی اور رساتھ نے افریشم کو بہت سہارا دیا تھا۔ افریشم کو گہری نیند میں دیکھ کر سیماں خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

”افریشم سو رہی ہے۔ میں تھوڑی دیر تک کھانا بنا کر بھیجتی ہوں۔“ سیماں نے فکر مندی سے کہا۔
”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت شکریہ۔“ آزد نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ سیماں نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا تو اس نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ دوبارہ آنے کے وعدے پر وہاں سے چلے گئے۔

”اونہہ! بلا وجہ کی ہمدردیاں۔“

ان کے جانے کے بعد آزد نے ناگواری سے کہا اور صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر ریموٹ اٹھا کر اسکرین آن کی۔ اپنی پسند کی میوزک ویڈیو لگا کر اس نے اپنے لیے پیزا آرڈر کیا۔ پیزے کا انتظار کرتے ہوئے وہ گانے کے ساتھ ساتھ گنگنا رہا تھا۔ میوزک کی اونچی آواز پر اندھیرے کمرے میں سوئی افریشم ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر اسے ساری صورت حال کو سمجھنے میں لگی۔ لاؤنج سے آتی گانے کی آواز پر افریشم نے تڑپ کر اپنے کانوں پر

عمر ہاشم نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ مگر یہ بات نور عین کے چہرے پر سے سارے رنگ لے گئی تھی۔ ایسے جیسے مرنے کے بعد مردہ ہوتا ہے۔ بے رنگ، زرد پڑا ہوا۔ عمر ہاشم کو اس لمحے وہ بالکل ویسی ہی لگی تھی۔

”میں قابل اعتبار نہیں ہوں۔۔۔“ نور عین نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا اور عمر ہاشم کی بات سنے بغیر تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔
”میرا دل کیوں نہیں مانتا؟“ عمر ہاشم نے خود کلامی کی تھی۔

☆☆☆

آزد کافی دیر سے روتی ہوئی افریشم کو دیکھ رہا تھا۔ سیماں اسے خود سے لگائے مسلسل تسلی دے رہی تھی۔ سیماں اگر وہاں موجود نہ ہوتی تو آزد افریشم کے رونے کو ایک منٹ بھی برداشت نہیں کرتا مگر ابھی وہ مروت میں چپ کر کے بیٹھا ہوا تھا۔ آزد کی دائیں طرف والے صوفے پر حیدر بھی بیٹھا ہوا تھا۔
”سچ میں بہت مشکل وقت ہے۔“ حیدر نے ہمدردی سے روتی ہوئی افریشم کی طرف دیکھا۔
”تم نے فلائٹ کا پتا کیا؟“ حیدر نے اگلا سوال آزد سے کیا جو چونک گیا۔

”ہاں فوری طور پر تو کوئی فلائٹ نہیں مل رہی۔ جو مل رہی ہیں وہ کل یا پرسوں کی ہیں۔ تدفین تو آج شام ہو جائے گی۔“ آزد نے سرسری انداز میں کہا۔
آزد کی پوری بات سن کر افریشم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”پردیس اسی لیے تو بہت ظالم ہوتا ہے۔ کسی اپنے کے مرنے پر چہرہ دیکھنے کی مہلت بھی قسمت سے ملتی ہے۔“ سیماں نے دھیمی لہجے میں کہا۔

”میرے خیال سے بھابھی کو نیند کی دوائی کھلا کر کچھ دیر سلا دو۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“ حیدر نے کہا تو سیماں فوراً سر ہلاتی اٹھی اور افریشم کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔

آزد بے چینی سے پہلو بدلتے لگا۔ سیماں نے

ہاتھ رکھے تھے۔

سر سری انداز میں سوال کیا۔

”ان کے رنگ بہت چمک دار اور دل کو موہ لینے والے ہیں۔“ اس نے گہری نظر سے نارنجی، سنہری، نیلی چھوٹی مچھلیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
”تمہیں کون سا رنگ پسند ہے؟“ ڈاکٹر علیہ کی مسکراہٹ حوصلہ افزاء تھی۔

”وہ رنگ جو امید بڑھا دے۔“ اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

”ویری نائس۔“ ڈاکٹر علیہ نے سر ہلایا۔ وہ دونوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”آج ہم ہر اس چیز، فرد کے بارے میں بات کریں گے جس سے تمہیں خوشی ملتی ہو۔“ ڈاکٹر علیہ نے کہا تو اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

”سچ میں؟“ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں! مگر تم ایمان داری سے بتاؤ گی۔“ ڈاکٹر علیہ نے نرمی سے کہا تو وہ پر جوش ہو گئی۔

”مجھے سردرات میں برسی بارش کی تیز بوندوں کی آواز اچھی لگتی ہے۔ میں سردیوں کی ہر شام، ہر دن سے محبت کرتی ہوں کیونکہ مجھے سردیاں پسند ہیں۔ مجھے دھند میں لیٹے راستے اچھے لگتے ہیں۔۔۔! مجھے کچے آنگن میں کھیلتا بچپن اچھا لگتا ہے۔۔۔۔!!“
پر جوش انداز میں بتاتی ہوئی جب وہ آخری لائن پر پہنچی تو کم صم ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی پھیل رہی تھی۔

”مجھے اپنے بچپن کی وہ سستی سی گڑیا پسند ہے۔ جس کے ساتھ کھیلتے ہوئے میں خود کو دنیا کی امیر ترین لڑکی سمجھتی تھی۔۔۔! مجھے باغوں میں کھیلتا، جھولا جھولنا، کچے پھل توڑنا پسند تھا۔۔۔!! مجھے اپنے بستر کا وہ تکیہ پسند تھا جس پر سر رکھ کر میں شہزادے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔۔۔! مجھے اپنی ماں کی گرم گود، اور باپ کی شفقت یاد آتی ہے کیونکہ۔۔۔۔“

وہ کہتے ہوئے بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ روتے ہوئے اس نے اپنا سر میز پر اٹکا دیا تھا۔

”اللہ! کب تک؟ میری آزمائش کب تک؟“
افریٹم نے ٹپ ٹپ کر فریاد کی تھی۔ باپ کی موت اور دوری نے اس کے ضبط کا پیمانہ چھلکا دیا تھا۔ وہ اپنے باپ کا آخری دیدار نہیں کر سکی کیونکہ آزاد نہیں چاہتا تھا ورنہ دہی سے پاکستان جانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اپنی ماں کے سینے سے لگ کر رونا چاہتی تھی۔ اس کی ماں پہلے ہی بہت بیمار رہتی تھی۔ ایک عجیب سا خوف افریٹم کے ذہن میں بیٹھ چکا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ کبھی دوبارہ اپنے والدین سے نہیں مل سکے گی! باپ کے بارے میں اس کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔۔۔!

ماں کے لیے سوچتے ہوئے اس کا دل بند ہو جاتا تھا۔

وہ بستر پر بیٹھی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخوں کو دباتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ آج سے پہلے اتنا درد، اتنی تکلیف اسے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جتنی آج ہو رہی تھی۔۔۔!

☆☆☆

”یہ مچھلیاں بہت پیاری ہیں۔“

ڈاکٹر علیہ کافی دیر سے اسے ایکوریم کے پاس کھڑا دیکھ رہی تھیں۔ یہ بڑے سائز کا ایکوریم کلینگ میں داخل ہوتے ہوئے دائیں طرف کی دیوار کے پاس رکھا ہوا نظر آتا تھا۔ ڈاکٹر علیہ اپنا سیشن مکمل کر کے کمرے سے باہر نکلیں تو اسے فیش ایکوریم کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ آج سے پہلے اس نے کبھی اپنے آس پاس موجود چیزوں کا نوٹس نہیں لیا۔ ڈاکٹر علیہ خاموشی سے اس کی باڈی لینکونج کو دیکھ رہی تھیں۔ جو کافی امید افزاء لگ رہی تھی۔ اس وقت ریسپشن پر رکھے فون کی گھنٹی کی تیز آواز پر اس کا ارکاز ٹوٹا اور اس نے گردن گھمائی تو ڈاکٹر علیہ کو دیکھ کر چونک گئی اور پھر مسکراتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرنے لگی۔ ڈاکٹر علیہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔
”یہ پیاری کیوں ہیں؟“ ڈاکٹر علیہ نے

ایک بہترین ویک اینڈ منانے کا تھا۔ فارم ہاؤس بہت خوب صورت بنا ہوا تھا۔ زیادہ تر مصنوعی چیزوں سے کام لیا گیا مگر فارم ہاؤس پر محنت اور توجہ نظر آ رہی تھی۔ آزد کارویہ افریشم کے ساتھ بہت دوستانہ تھا۔ آزد افریشم کو لے کر فارم ہاؤس کی سیر پر نکل جاتا۔ دونوں باتیں کرتے، پیدل چلتے ہوئے دور تک نکل جاتے تھے۔ افریشم کو لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہ آزد ہے جس کے ساتھ وہ پچھلے ڈھائی سالوں سے رہ رہی تھی۔

وہ بون فائبر کی رات تھی۔ گراؤنڈ کے بیچ میں آگ روشن تھی۔ جس کے بلند ہوتے شعلے آس پاس روشنی بکھیر رہے تھے۔ اس رات وہاں کا آزد اور بے باک ماحول دیکھ کر افریشم گھبرا گئی۔ افریشم نے آزد کی فرمائش پر کالے رنگ کا گاؤن پہنا ہوا تھا۔ سلیقے سے بندھے بالوں اور ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ آزد تو اپنے چند دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے ڈرنک کرنے لگا۔ ان کے اونچے اونچے قہقہے ہر طرف گونج رہے تھے۔ افریشم نے اپنے لیے ایک کونا تلاش کر لیا۔ وہ سب کی نگاہوں سے چھپ کر وہاں بیٹھ گئی اور سامنے موسیقی کے آلات سے اپنے فن کا جادو بکھیرتے لوگوں کو دیکھنے لگی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ نظر اٹھا کر آزد کے گروپ پر بھی ڈال دیتی۔ جو وقفے وقفے سے اونچے اونچے قہقہے لگا رہے تھے۔ ویٹر مہمانوں کو مختلف اقسام کی کھانے پینے کی اشیاء پیش کر رہے تھے۔

رات تیزی سے گزر رہی تھی۔ افریشم وہاں بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی تو آزد پر ایک نظر ڈال کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ وہ اسے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی۔ افریشم نے پاس سے گزرتے ویٹر کو آزد کے لیے پیغام دیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ افریشم نے اپنے کندھے پر ہلکے رنگ کی شال لی ہوئی تھی۔ رات کے وقت خنکی تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں گم چل رہی تھی جب اچانک کوئی اس کے سامنے آ گیا۔ افریشم نے سبراٹھا کر دیکھا

”سنو۔ا۔“ ڈاکٹر علیہ نے نرمی سے پکارا۔ اس نے بیہوشاں ہوا ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔ ”ہم آج صرف خوشی کی بات کر رہے تھے۔“ ڈاکٹر علیہ نے یاد دلایا۔

”مگر میری ہر خوشی، غم کے آنسوؤں، محرومی کی غمی سے بھگی ہوئی ہے۔“ اس نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

”ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تنگ و تنار یک کمرے میں بھی امید کا ایک چھوٹا سا سوراخ، روشنی کو اندر کا راستہ دے سکتا ہے۔“ ڈاکٹر علیہ نے نرمی سے کہا۔ وہ کچھ دیر ان کی طرف دیکھتی رہی۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

”ہاں! مجھے روشنی کا وہ سوراخ مل گیا ہے۔“ اس نے پورے یقین سے کہا۔

”مجھے خوشی ہے۔“ ڈاکٹر علیہ نے کہا۔ تو وہ آہستہ آواز میں انہیں کچھ بتانے لگی۔ ڈاکٹر علیہ بہت غور سے سن رہی تھیں۔

☆☆☆

افریشم نے کبھی آزد کے ساتھ اتنا طویل سفر نہیں کیا تھا۔ آزد کے دوست کا شارجہ میں فارم ہاؤس تھا۔ جہاں وہ دونوں چھٹیاں گزارنے جا رہے تھے۔ آزد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے افریشم بہت بے سکونی کا شکار تھی۔ آزد کا رویہ معمول کے مطابق تھا۔ بلکہ عام روٹین سے ہٹ کر بہت مہربان اور نرم تھا۔

آزد کی اتنی نرمی اور مہربان لہجہ افریشم کو کھٹک رہا تھا۔ افریشم کے ذہن میں بار بار سیماس حیدر کی ہدایت گھوم رہی تھیں کہ آزد پر اعتبار مت کرنا اور اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ وہ لوگ شام ڈھلے آزد کے جرمن دوست کے فارم ہاؤس پر پہنچے تھے۔ جہاں انہیں بہترین سروس مہیا کی گئی۔

پہلے دن تو افریشم بہت گھبرائی ہوئی رہی مگر بہت جلد اس کی گھبراہٹ دور ہو گئی جب اس نے آزد کے جرمن دوست کے اور بھی ساتھیوں کو اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا۔ ان سب کا ارادہ

”میم! اس طرف۔“ ایک مودب کھڑے ویٹر نے دوسری سمت کی طرف اشارہ کیا۔
 افریشم نے حیرت سے گردن گھما کر وہاں دیکھا جہاں گھنے درختوں کے درمیان کچھ روشنیاں چمکتی نظر آرہی تھیں۔
 ”وہ کیا ہے؟“ افریشم نے حیرت سے سوال کیا۔

”اس فارم ہاؤس کا سب سے بہترین حصہ اس نے آپ کو وہاں بلایا ہے۔“ ویٹر نے جواب دیا تو افریشم سر ہلاتی اس طرف چل پڑی۔
 یہ حصہ باقی فارم ہاؤس سے بہت ہٹ کر تھا۔ افریشم دن کے وقت یہاں نہیں آئی تھی۔ کچھ دور آکر افریشم نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ حصہ تو بہت ویران ہے۔ سارا شور، ساری آوازیں تو بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ افریشم خوف سے جھرجھری لے کر رہ گئی۔

”مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“ افریشم نے سوچا اور جیسے ہی گردن واپس گھمائی ایک دم ڈر کر ہلکی سی چیخ ماردی۔ سامنے آزد کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”افریشم ڈارلنگ!“ آزد نے سر دلچے میں یکارا۔ افریشم نے تھوک نلگتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ آزد نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو افریشم نے کانپتا ہوا نازک ہاتھ، اس کے مونے اور بھدے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

”تم بہت خوب صورت ہو۔! بہت زیادہ مگر.....“ آزد نے عجیب انداز میں کہا۔ ”تم جتنی خوب صورت ہوتی ہی خطرناک بھی ہو۔“

اس نے اپنے ہاتھ میں موجود افریشم کا ہاتھ سختی سے دبایا تھا۔ افریشم درد سے کراہ اٹھی۔ آزد نے ایک جھٹکا دیا تو افریشم گرتے ہوئے پچی۔ آزد تیزی سے مڑ کر افریشم کو کھینچتے ہوئے گھب اندھیرے کی طرف چلنے لگا۔ افریشم بمشکل، گرتے، سنہلے، اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گھنے درختوں میں

سے گزرتے ہوئے افریشم شدید خوف، کا شکار تھی۔۔۔ اس کے دماغ میں سیماں حیدر کی باتیں گونجنے لگیں۔
 ”کہیں آزد مجھے۔۔۔“ موت کے خوف سے افریشم کے جسم میں سرد لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

☆☆☆

”سنو تمہارے گھر پہ ہمارا مستقل قبضہ کرنے کا ارادہ ہے۔“ ڈنر کرتے ہوئے جواد نے سنجیدگی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گا۔“ عمر ہاشم نے اطمینان سے کہا تو سارہ نے فخریہ انداز میں جواد کی طرف دیکھا۔

”ہاں دیکھ لیا تمہارا بھائی ٹارزن ہی نہیں، کروڑ پتی بھی ہے۔“ جواد نے منہ بنا کر کہا۔ عمر ہاشم ہنس پڑا۔

”عمر! اپنی بہن کو سمجھاؤ۔ یہ واپس نہیں جانا چاہ رہی۔“ جواد نے تنگ آ کر اصل بات بتائی۔
 ”میرا ابھی موڈ نہیں ہے۔“ سارہ نے بے نیازی سے کہا۔

”محترمہ! میں تمہارے بھائی کی طرح امیر آدمی نہیں ہوں۔ چھوٹا موٹا کام کرنے والا سادہ سے بندہ ہوں۔ میں مزید نہیں رک سکتا۔“ جواد نے منہ بنا کر کہا۔

”جی جی اس سادے سے بندے کے پاس پاکستان میں تین کنال کا عالی شان گھر، مہنگی گاڑی، اسٹیمپلش کاروبار بھی ہے۔“ عمر ہاشم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تم انکم ٹیکس میں تو نہیں ہو جو میری ساری خبر رکھتے ہو؟“ جواد نے اسے گھور کر سوال کیا۔

”خبر رکھنی پڑتی ہے۔ آخر بہن کا معاملہ ہے۔“ عمر ہاشم نے کہا تو جواد نے ہاتھ جوڑ دیے۔

”تم دونوں بہن بھائی مجھے معاف کرو۔ میں پرسوں واپس جا رہا ہوں۔ میرا بہت کام رکا ہوا ہے۔ سارہ کا جب دل کرے واپس آ جائے۔“ جواد

تھی۔
”سارہ۔۔“ عمر ہاشم حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھتا ہوا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ہاں عمر! میں اس لیے یہاں سے نہیں جانا چاہتی تھی۔“ سارہ نے گہری سانس لے کر کہنا شروع کیا۔

”پہلی دو تین ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ نور عین کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ میں اس لیے اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے لگی۔ بہت جلد اس نے مجھے بتا دیا کہ وہ شادی شدہ ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہیں ہے۔“

سارہ نے گہری سانس لے کر کہنا شروع کیا۔
عمر ہاشم کے چہرے پر تکلیف کا احساس تھا۔ جواد باری باری دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔
”مجھے یقین نہیں۔ نور عین نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ.....“

عمر ہاشم نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے نگاہوں کے سامنے ایسے کتنے ہی پل گزر رہے تھے جب جب اس کی نظروں نے نور عین کے دل تک اپنے دل کا پیغام پہنچایا تھا۔

”یقین؟ تم نور عین کے بارے میں جانتے ہی کیا ہو؟“ سارہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ عمر ہاشم سنجیدگی سے بہن کی طرف دیکھنے لگا۔ آج سے پہلے اسے اپنا آپ اتنا احمق ہرگز نہیں لگتا تھا۔

”وہ سکتا ہے کہ وہ یہ بات بتانا بھول گئی ہو۔“ جواد عمر ہاشم کی مدد کو آیا۔ سارہ طنزیہ مسکرانے لگی۔ عمر ہاشم کو اس کی مسکراہٹ کوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔
”اچھا۔۔۔!!“ سارہ نے عمر ہاشم کو جتانی ہوئی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ عمر ہاشم سے یہ سب برادشت نہیں ہوا تو وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

”نور عین اتنی سیدھی اور معصوم ہے کہ وہ عمر ہاشم کو اپنا اصل نام بتانا بھی بھول گئی تھی۔۔۔!“ سارہ کی آواز پر عمر کا نہیں۔

نے کہا۔
”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ عمر ہاشم نے فوراً کہا۔

”ہاں تمہیں کیوں اعتراض ہو گا؟ تمہارے لیے تو رک رہی ہے۔“ جواد نے اسے چھیڑا۔
”مطلب؟“ عمر ہاشم نے مصنوعی سنجیدگی سے سوال کیا۔

”تمہارے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہے۔“ جواد نے کہا تو عمر ہاشم چونک گیا۔
”لڑکیاں؟“ عمر ہاشم نے حیرت سے سارہ کی طرف دیکھا۔ جو نظریں چراتے ہوئے اپنی پلیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”ہاں! میری کچھ جاننے والی فیملیز ہیں۔ ان سے۔۔۔“ سارہ نے جلدی سے کچھ کہنا چاہا۔
”سارہ! میرے خیال سے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے لیے لڑکی پسند کر چکا ہوں۔“

عمر ہاشم نے عین سے ہاتھ صاف کیے۔ جواد چچہ منہ کے طرف لے جاتے ہوئے حیرت سے رک کر اسے دیکھنے لگا۔

”کون ہے؟“ سارہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔
”تم جانتی ہو اسے۔“ عمر ہاشم نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی مڑا تھا جب سارہ کی سرد آواز اس نے سنی۔

”نور عین!“ عمر ہاشم نے گردن موڑ کر سادہ کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر ہلکا غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔

”تمہیں کوئی اعتراض ہے۔“ عمر ہاشم نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔
”عمر ہاشم! کیا تم یہ جانتے ہو کہ نور عین شادی شدہ ہے؟“

سارہ کے انکشاف پر عمر ہاشم اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ جواد کے ہاتھ سے چچہ چھوٹ کر کالج کی پلٹ پر گرا تو زور سے چھناکے کی آواز آئی۔ پلیٹ ٹوٹ گئی

خاکے میں نورعین نے اپنی مرضی اور خوشی سے رنگ بھرنے تھے۔ مگر نورعین کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس نے عمر ہاشم کو نہیں دیکھا تھا۔

”کیا میں صرف عمر ہاشم سے ملنے آتی ہوں؟“ نورعین نے حیرت سے خود سے سوال کیا۔

”نہیں! میں کام سیکھنا چاہتی ہوں۔“ نورعین نے سر جھٹک کر خود کو ادھورے کام کی طرف متوجہ کیا۔

شام ڈھلے جب وہ اکیڈمی سے باہر نکلی تو اس نے عمر ہاشم کو آفس روم سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔

نورعین کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ عمر ہاشم کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر تھا۔ وہ اپنے ارد گرد جمع لوگوں کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ نورعین تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ عمر ہاشم نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی۔

نورعین ٹھٹک گئی۔ اس کی نگاہ میں پہچان، گرم جوشی، کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ عمر ہاشم اسے نظر انداز کرتا اکیڈمی سے باہر چلا گیا۔ نورعین بے دلی سے سر جھکائے اپنے راستے پر چلنے لگی۔

میرے لیے قسمت کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ نورعین نے اپنے سامنے پھیلے طویل، خاموشی میں ڈوبے راستے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

وہ جو فرار حاصل کر کے چند لمحوں کی خوشی حاصل کرنے یہاں آتی تھی، آج وہ خوشی بھی کہیں کم ہو گئی تھی۔ نورعین کے قدموں کی مایوسی بہت واضح تھی۔

عمر ہاشم نے اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے دیکھا ضرور تھا مگر ایک اجنبی کی طرح۔۔۔!!

☆☆☆

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ افریثم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے آزد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب وہ نسجا ویران اور اندھیرے میں ڈوبے حصے میں آچکے تھے۔ افریثم کو یہاں بہت ڈر لگ رہا تھا۔ مگر آزد اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے رہا تھا

”افریثم۔۔۔ اس کا اصل نام ہے۔“ سارہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔ عمر ہاشم کو پہلے بار سارہ کی ہنسی سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔ عمر ہاشم نے پہلی بار جانا تھا کہ آپ کے خلوص اور دوستی کے منہ پر پڑنے والا جھوٹ کا تھپڑ کتنا زوردار اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ عمر ہاشم تیزی سے میڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ عمر ہاشم نے زندگی میں دوسری بار خود کو بے ساختہ رونے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ پہلی کوشش آج سے پندرہ سال پہلے اپنے والدین کی ایئر کریش میں اچانک موت پر کی گئی مگر تب بھی اس کے آنسو نہیں رکے تھے۔

آج بھی وہ چاہتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو نہیں روک پارہا تھا۔ عمر ہاشم اپنے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ لاک کر دیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے کے ایک طرف بنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ اپنے بڑے اور نفاست سے سجے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر عمر ہاشم نے دروازہ بند کر دیا اور پھر اس نے دونوں مٹھیاں سمجھ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخنے لگا۔ وہ اسی حالت میں روتے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔ اسے افریثم کے سچ نے دکھ نہیں پہنچایا تھا۔۔۔

اسے نورعین کے جھوٹ نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔۔۔!!!

☆☆☆

”سرمہ ہاشم آج بھی نہیں آئے؟“ نورعین اسٹوڈیو پہنچی تو اس نے لڑکے لڑکیوں کے ایک گروپ کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ اس کے قدموں کی رفتار سست ہوئی۔ پینٹنگ کی کلاس مسز ایلی لے رہی تھیں۔ مسز ایلی درمیانی عمر کی خوش مزاج اور ہنس مکھ عورت تھیں۔ اس کی آرٹ میں دلچسپی اور بہترین کام کا عمر ہاشم بھی گرویدہ تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے ایلی عمر ہاشم کے ساتھ مل کر بہت سے لوگوں کو آرٹ سکھا رہی تھی۔

نورعین خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کی پینٹنگ کا ڈرائنگ ورک تو مکمل ہو چکا تھا۔ اب اس

آج بھی وہ چاہتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو نہیں روک پارہا تھا۔ عمر ہاشم اپنے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ لاک کر دیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے کے ایک طرف بنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ اپنے بڑے اور نفاست سے سجے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر عمر ہاشم نے دروازہ بند کر دیا اور پھر اس نے دونوں مٹھیاں سمجھ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخنے لگا۔ وہ اسی حالت میں روتے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔ اسے افریثم کے سچ نے دکھ نہیں پہنچایا تھا۔۔۔

اسے نورعین کے جھوٹ نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔۔۔!!!

☆☆☆

”سرمہ ہاشم آج بھی نہیں آئے؟“ نورعین اسٹوڈیو پہنچی تو اس نے لڑکے لڑکیوں کے ایک گروپ کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ اس کے قدموں کی رفتار سست ہوئی۔ پینٹنگ کی کلاس مسز ایلی لے رہی تھیں۔ مسز ایلی درمیانی عمر کی خوش مزاج اور ہنس مکھ عورت تھیں۔ اس کی آرٹ میں دلچسپی اور بہترین کام کا عمر ہاشم بھی گرویدہ تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے ایلی عمر ہاشم کے ساتھ مل کر بہت سے لوگوں کو آرٹ سکھا رہی تھی۔

نورعین خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کی پینٹنگ کا ڈرائنگ ورک تو مکمل ہو چکا تھا۔ اب اس

آج بھی وہ چاہتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو نہیں روک پارہا تھا۔ عمر ہاشم اپنے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ لاک کر دیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے کے ایک طرف بنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ اپنے بڑے اور نفاست سے سجے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر عمر ہاشم نے دروازہ بند کر دیا اور پھر اس نے دونوں مٹھیاں سمجھ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخنے لگا۔ وہ اسی حالت میں روتے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔ اسے افریثم کے سچ نے دکھ نہیں پہنچایا تھا۔۔۔

اسے نورعین کے جھوٹ نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔۔۔!!!

☆☆☆

”سرمہ ہاشم آج بھی نہیں آئے؟“ نورعین اسٹوڈیو پہنچی تو اس نے لڑکے لڑکیوں کے ایک گروپ کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ اس کے قدموں کی رفتار سست ہوئی۔ پینٹنگ کی کلاس مسز ایلی لے رہی تھیں۔ مسز ایلی درمیانی عمر کی خوش مزاج اور ہنس مکھ عورت تھیں۔ اس کی آرٹ میں دلچسپی اور بہترین کام کا عمر ہاشم بھی گرویدہ تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے ایلی عمر ہاشم کے ساتھ مل کر بہت سے لوگوں کو آرٹ سکھا رہی تھی۔

نورعین خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کی پینٹنگ کا ڈرائنگ ورک تو مکمل ہو چکا تھا۔ اب اس

آج بھی وہ چاہتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو نہیں روک پارہا تھا۔ عمر ہاشم اپنے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ لاک کر دیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے کے ایک طرف بنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ اپنے بڑے اور نفاست سے سجے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر عمر ہاشم نے دروازہ بند کر دیا اور پھر اس نے دونوں مٹھیاں سمجھ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخنے لگا۔ وہ اسی حالت میں روتے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔ اسے افریثم کے سچ نے دکھ نہیں پہنچایا تھا۔۔۔

اسے نورعین کے جھوٹ نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔۔۔!!!

☆☆☆

”سرمہ ہاشم آج بھی نہیں آئے؟“ نورعین اسٹوڈیو پہنچی تو اس نے لڑکے لڑکیوں کے ایک گروپ کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ اس کے قدموں کی رفتار سست ہوئی۔ پینٹنگ کی کلاس مسز ایلی لے رہی تھیں۔ مسز ایلی درمیانی عمر کی خوش مزاج اور ہنس مکھ عورت تھیں۔ اس کی آرٹ میں دلچسپی اور بہترین کام کا عمر ہاشم بھی گرویدہ تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے ایلی عمر ہاشم کے ساتھ مل کر بہت سے لوگوں کو آرٹ سکھا رہی تھی۔

نورعین خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کی پینٹنگ کا ڈرائنگ ورک تو مکمل ہو چکا تھا۔ اب اس

تھیں۔

”تم اگر ایک بار اپنی مرضی پر گھر سے قدم نکال سکتی ہو تو دوبارہ کیوں نہیں؟ اس لیے میں نے لاؤنج اور بیرونی دروازے پر خفیہ کیمرے لگا دیے تھے۔“ آزد نے کہا تو افریشم کو سمجھ میں آیا کہ آزد نے اسے رپورٹس چھپاتے ہوئے کیمرے میں دیکھ لیا تھا۔

”مگر آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی ہوں۔“ افریشم روتے ہوئے کہنے لگی۔

”ہاں جھوٹ بولا تھا کیونکہ میں ایسے کسی جھیلے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجھے بچوں، ان کی ذمہ داریوں سے نفرت ہے۔“ آزد نے غصے سے کہا۔

”مگر میری خواہش ہے ماں بننے کی۔“ افریشم نے روتے ہوئے اپنی کہنی سے منہ صاف کیا تھا۔

”خواہش؟ اب تم میرے آگے زبان چلاؤ گی۔ مجھ سے بحث کرو گی۔“

آزد نے جاتو کھول کر اسے لہراتے ہوئے افریشم کو دیکھا۔ افریشم خوف زدہ ہو کر فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”آزد میری بات سنیں.....“ افریشم نے ہکلاتے ہوئے اس سے کچھ کہنا چاہا۔

”ماں تم تب بنو گی جب زندہ رہو گی۔ بولو کیا چاہتی ہوں زندگی یا خواہش.....“ آزد نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

افریشم کو لگا کہ موت اس کے بہت قریب کھڑی ہے۔ وہ اپنی زندگی بچانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اچانک وہ ایک دم پیچھے مڑی اور اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

آزد کو امید نہیں تھی کہ افریشم اس طرح فوری طور پر ری ایکٹ کرے گی۔ وہ ہمیشہ کی طرح صرف افریشم کو ذہنی اذیت دے کر آئندہ ایسی کسی بھی خواہش یا حرکت سے روکنا چاہتا تھا مگر افریشم لاشعوری طور پر سیمائیں حیدر کی باتوں کے زیر اثر تھی۔

افریشم کو یقین ہو گیا کہ آزد اس ویرانے میں

افریشم خوف سے کانپ رہی تھی۔ کچھ دور جا کر آزد رک گیا اور مڑ کر افریشم کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم نے ایک بار پھر مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔“ آزد نے سرد لہجے میں کہنا شروع کیا۔ افریشم کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ آزد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ افریشم اس کے ہاتھ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آزد کا ہاتھ باہر نکلا تو اس میں فولد ہوا جاتو موجود تھا۔ آزد نے جاتو ٹک کی آواز کے ساتھ گھولا تو اس کی تیز دھار نیم اندھیرے میں بھی صاف چمکتی نظر آرہی تھی۔ افریشم خوف سے کانپنے لگی۔

”سیمائیں حیدر کے ساتھ تم ڈاکٹر کے پاس کیوں گئی تھیں؟“ آزد نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”و۔ و۔ وہ۔ انہوں نے چیک اپ۔۔۔“ افریشم کی بات منہ میں رہ گئی۔ آزد نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔ افریشم پیچھے کی طرف گر گئی۔

”بکواس کرتی ہو۔“ آزد نے ایک لات اس کے پیٹ پر ماری۔ افریشم درد سے تڑپ اٹھی۔

”اگر شور مچایا تو گلا گھونٹ دوں گا۔“

آزد نے نفرت سے کہا تو افریشم نے اپنی چیخوں کو چھپانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

”تم نے مجھے جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اپنے ٹیسٹ کروائے۔“ آزد نے غصے سے کہا۔

”آ۔ آ۔ پ۔ ک۔ و۔ ک۔ س۔ کیسے پتا چلا؟“ افریشم نے ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

”تم خود کو بہت سمجھ داز سمجھتی ہو؟ رپورٹس کچن کی کیبنٹ میں چھپا کر رکھ دیں کہ میں کون سا کچن میں آتا ہوں مگر تم ایک بات نہیں جانتیں.....“ آزد نے سخت لہجے میں کہا۔

”تمہارے پہلے دھوکے کے بعد میں محتاط ہو گیا تھا۔“ آزد نے دانت پیس کر کہا۔

کچھ دن کے بعد افریشم نے سیمائیں حیدر سے اپنی میڈیکل رپورٹس لا کر کچن میں چھپا کر رکھ دی

خوب صورت اپارٹمنٹ میں پھیلی خاموشی میں عجیب سی اداسی تھی۔ سارہ اپنی میلی کے ساتھ چار دن پہلے واپس جا چکی تھی۔ جاتے وقت سارہ نے عمر ہاشم سے اپنے رویے کی معذرت بھی کی۔ عمر ہاشم کو سارہ سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ وہ اگر ناراض تھا تو خود سے !.....

عمر ہاشم نے لاؤنج کے وسط میں کھڑے ہو کر دائیں طرف بنی شیشے کی دیوار کی طرف دیکھا جہاں سے چھن چھن کر آتی روشنی میں حدت نہیں تھی۔ موسم میں تبدیلی آ چکی تھی۔ عمر ہاشم نے ہر طرف پھیلی خاموشی کو توڑنے کے لیے ریسیوٹ اٹھا کر ایل سی ڈی آن کر دی۔ ایک دم سے آواز کے ٹھنکر و سارے گھر میں بجنے لگے۔ عمر ہاشم تھوڑا مطمئن ہوا اور پھر گہری سانس لے کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

وہ آج صبح سے گھر میں تھا۔ دیر تک سونے کے بعد وہ شاور لے کر فریش ہوا اور اپنا ناشتا بنانے کچن میں جاتے ہوئے اس کی نگاہ لاؤنج میں پھیلی خاموشی پر پڑی تو وہ رک گیا تھا۔ آج اس کی میڈ کی چھٹی تھی۔ کچن میں کام کرتے ہوئے وہ لاؤنج میں لگی اسکرین پر بھی نگاہ دوڑا رہا تھا۔ کافی کے ساتھ چیز سینڈوچ لے کر وہ لاؤنج کے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ خبریں سنتے ہوئے اس نے ناشتا کیا۔ ناشتا کرنے کے بعد کچھ دیر تک اپنے موبائل کو دیکھتا رہا۔ ضروری مسیج اور کال کا جواب دینے کے بعد اس نے اپنی ای میلز چیک کی۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ کچھ سوچ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک کونے میں بنے اسٹور روم میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ہاتھ میں کینوس اور دوسرے ہاتھ میں اسٹینڈ پکڑے اسٹور روم سے باہر نکلا۔ شیشے کی بنی دیوار کے ساتھ چھوٹی سی بالکونی تھی۔ جہاں پر عمر ہاشم نے بہت خوب صورت پودے اور پھولوں کے کلمے رکھے ہوئے تھے۔ عمر ہاشم نے جب کوئی خاص پینٹنگ بنانی ہوتی تو وہ اس بالکونی میں اسے سیٹ کر دیتا اور

اسے قتل کر دے گا۔ افریٹم بدحواس ہو کر بھاگ رہی تھی۔ جب بھاگتے ہوئے ایک چھوٹا گیٹ نظر آیا جو شاید سکیورٹی گارڈ کے آنے اور جانے کا راستہ تھا۔ افریٹم تیزی سے بھاگتے ہوئے اس گیٹ تک پہنچی۔ گیٹ پر زنجیر لگی ہوئی تھی۔ افریٹم نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ آزد تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ زنجیر ہٹا کر وہ گیٹ سے باہر نکلی تو سامنے سڑک پر بہت تیزی سے گاڑیاں رواں دواں تھیں۔

افریٹم نے گردن موڑ کر دیکھا۔ آزد تیزی سے افریٹم کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ افریٹم پیچھے مڑ کر دیکھتی آگے بھاگ رہی تھی۔ جب تیزی سے پاس آتی گاڑی کو نہیں دیکھ سکی۔ افریٹم نے سامنے دیکھا تو گاڑی اس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔ افریٹم نے زوردار چیخ ماری۔ اس وقت اس کے پیچھے امداد دھند بھاگتے آزد نے گاڑی کو نہیں دیکھا تھا۔ آزد نے افریٹم کو پاس دیکھ کر غصے سے ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف کھینچا جب اس نے گاڑی کو سر پر آتے ہوئے دیکھا۔ زندقہ میں پہلی بار آزد کو خوف محسوس ہوا تھا اور اس نے اللہ کو پکارا تھا۔ !

فضا میں خوف ناک آوازیں گونجی تھیں۔ جس میں گاڑی کے ٹائر چرچرانے، کسی دوسری گاڑی سے ٹکڑانے اور دو انسانوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ قیامت خیز شور کے بعد ایک دم خاموشی چھا گئی۔ دونوں طرف سے آتی ٹریفک ایک دم سے رک گئی تھی۔ گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس میں سڑک کے بیچ میں سرخ خون چمکتا صاف نظر آ رہا تھا۔ سرخ خون بہت تیزی سے پھیلتے ہوئے کسی کے سانسوں کی ڈور کو کاٹ رہا تھا۔

ایک دم ہی شور اور ساکت آوازیں زندہ ہو گئیں۔

”کال دا ایسولینس۔۔۔ (ایسولینس کو کال کرو۔)“ کوئی چیخا تھا۔

ابد کے اندھیرے میں ڈوبتی کسی کی سماعت نے آخری لفظ یہ ہی سنے تھے۔

فارغ وقت میں پوری دل جمعی اور انہماک سے اپنا کام کرتا۔ ابھی بھی اس نے اسٹینڈ پر کیٹس کو سیٹ کرتے ہوئے اینگل درست کیا۔ عمر ہاشم کچھ دیر تک اپنی بنائی ادھوری پینٹنگ کو دیکھنے لگا۔ منظر واضح نہیں تھا مگر وہ اپنے خیال کی آنکھ سے مکمل منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ بالکل ویسا ہی منظر بنانا چاہتا تھا جو اس کے ذہن کے پردے پر نقش ہو چکا تھا۔

عمر ہاشم نے اپنے ہنرمند ہاتھوں میں اپنا سب سے پرانا اور پسندیدہ برش پکڑا تو ایک لمحے کے لیے اس کا ہاتھ پہلا اسٹروک لگاتے ہوئے کانپا تھا۔ اپنی حالت پر حیران ہوا۔ اس کے لیے یہ سب نیا تھا مگر بہت تکلیف دہ۔۔۔!

عمر ہاشم نے گہری سانس لی اور اپنے تصور کے خاکے میں خواب اور خواہش کے نہ مٹنے والے رنگ بھرنے لگا۔

☆☆☆

آج کافی دنوں کے بعد نورعین نے عمر ہاشم کا دیکھا تھا۔ عمر ہاشم کا سر درو یہ اس سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ وہ عمر ہاشم نے اس کے رویے کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ کلاس ختم ہونے کے بعد نورعین فوراً گھر کے لیے نہیں نکلی بلکہ وہ خاموشی سے مجسمہ سازی کی کلاس میں جا کر بیٹھ گئی۔

کلاس تقریباً خالی تھی۔ ایک دو لوگ موجود تھے جو اپنے مجسمے کو فائنل ریج دے رہے تھے۔ نورعین ایک ایک مجسمے کو غور سے دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ تب چونکی جب اچانک وہاں مائیکل آگیا جو آفس بوائے تھا۔ اکیڈمی آف ہونے کے بعد وہ کمرے لاک کرنے کے لیے چیک کر رہا تھا تو نورعین کو دیکھ کر چونک گیا۔ شام ڈھل چکی تھی۔ اکیڈمی میں کچھ روشنیاں جل رہی تھیں مگر زیادہ تر حصے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مائیکل نے جب ایک حسین اور ڈری ہوئی لڑکی کو اس کے دیکھا تو اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے

لگا۔ نورعین اس کے انداز پر چونکی ہو گئی۔

”میں سر عمر ہاشم کا انتظار کر رہی ہوں۔“ نورعین جو دل میں ڈر رہی تھی مگر اس کے سامنے مضبوط بننے ہوئے کہنے لگی۔ مائیکل مگر وہ مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ نورعین جھپکتے ہوئے آگے بڑھی۔ مائیکل نے تیزی سے مڑتے ہوئے دروازہ بند کیا۔ نورعین خطرہ بھانپ کر تیزی سے بھاگتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ اس بڑے سے کمرے میں بہت سے مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ کچھ لکڑی کی بڑی بڑی الماریاں جہاں بہت سا کام محفوظ رکھا ہوا تھا۔ کمرے میں ترتیب سے بیچ اور میز موجود تھی۔

نورعین گھبرائے ہوئے انداز میں ان کے پیچھے چھپتی ہوئے وہاں سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔ مگر بد قسمتی سے اس کمرے میں داخل ہونے اور باہر جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جہاں مائیکل موجود تھا۔ وہ چھپی ہوئی نورعین کو ڈھونڈتے ہوئے آواز دے رہا تھا۔ مائیکل جانتا تھا کہ نورعین زیادہ دیر اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ مائیکل درمیانی عمر کا تھا۔ اسے یہاں کام کرتے ہوئے ابھی کچھ مہینے ہی ہوئے تھے۔ اچانک مائیکل کو مٹی کی مورت کے پیچھے رنکین اسکارف نظر آیا تو وہ دبے قدموں سے اس طرف بڑھا۔ پاس جا کر جیسے ہی اس نے اسکارف پر جھپٹا مارا۔ اپنی دھن میں وہ تیزی سے مٹی کی مورت مورت پر گرا۔ اس کے ہاتھ میں اسکارف تو آیا مگر نورعین وہاں نہیں تھی۔

مائیکل سمجھ گیا کہ نورعین نے اسے بے وقوف بنایا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور مڑ کر دروازے کی سمت بھاگا۔ نورعین جو اسے دوسری طرف الجھا کر دروازے کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس نے اپنے پیچھے آتے مائیکل کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر دوڑ لگا دی۔ وہ خوف زدہ ہو کر بدحواسی سے بھاگتی، پیچھے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ سامنے سے آتے ہوئے دو لوگوں سے بری طرح ٹکرا گئی۔ نورعین بے ساختہ خوف سے چیخنے لگی۔

”نور عین!“

مزایلی نے گھبرائی ہوئی نور عین کو زور سے جھنجھوڑا تو اس نے چونک کر پریشان اور حیران چہرہ لیے کھڑی مزایلی کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے ساتھ ایک لڑکی فرح بھی موجود تھی جو حیرت سے نور عین کو دیکھ رہی تھی۔ نور عین نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ مزایلی اور فرح نے حیرانی نے اس کے پیچھے دیکھا مگر انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔ اس وقت نور عین نے سامنے حیرت سے بت بنے کھڑے عمر ہاشم کی طرف دیکھا۔

وہ تینوں شاید کسی کام سے اکیڈمی آئے تھے۔ مزایلی اور فرح باتیں کرتے ہوئے پہلے اندر آگئیں جبکہ عمر ہاشم کو گاڑی پارک کر کے اندر آنے میں کچھ وقت لگا۔ نور عین کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی عمر ہاشم کے پاس گئی۔ اس نے اپنی بھیلی آنکھوں سے عمر ہاشم کی سنجیدہ آنکھوں میں جھانکا تھا۔ عمر ہاشم کو ایسا لگا جیسے اس کے اندر جی سرد مہری کی برف کو اس کی نگاہ کی تیز دھوپ نے پگھلا دیا ہے نور عین نے اپنی بھیلی آنکھیں صاف کیں اور عمر ہاشم کے پیچھے جا کر ایسے کھڑی ہو گئی جیسے کسی سے چھپ رہی ہو۔

عمر ہاشم تیزی سے آگے بڑھا اور بھاگتے ہوئے اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں سے نور عین باہر نکلی تھی۔ مزایلی نے کسی خدشے کے تحت سیکورٹی کو کال کر دی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ کسی کو بری طرح مارتا ہوا کمرے سے باہر لارہا تھا۔ مائیکل کے چہرے پر ضرب کے نشان تھے۔ اس نے مائیکل کو زور کا دھکا دیا تو وہ سامنے کھڑی نور عین کے قدموں کے پاس جا گرا۔ مائیکل ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔

نور عین خوف سے کانپ رہی تھی۔ نور عین نے زمین پر گرے مائیکل کی طرف دیکھا اور پھر غصے سے کف اڑاتے عمر ہاشم کو۔۔۔! نور عین خوف سے کانپتی، تیزی سے بھاگتی ہوئی عمر ہاشم کے پاس پہنچی اور اس کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی حالت

بہت خراب تھی۔ وہ مسلسل کانپ رہی تھی۔ فنی چہرے کے ساتھ وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔

مزایلی اور فرح تیزی سے آگے بڑھیں اور نور عین کو خود سے لگا کر سلی دینے لگیں نور عین ان سے لگ کر بھی کانپتی رہی۔ سیکورٹی گارڈ نے آکر مائیکل کو قابو کر لیا تھا۔ کچھ دیر میں پولیس وہاں پہنچنے والی تھی۔ عمر ہاشم نے ایک نظر خوف سے کانپتی نور عین پر ڈالی۔ اس کے بس میں اگر ہوتا تو وہ نور عین کو سب سے چھپا کر کہیں دور لے جاتا۔ جہاں اس کا کوئی ڈر، کوئی خوف نہ پاس آتا مگر وہ اس بس کے آگے بے بس تھا۔۔۔!

☆☆☆

مائیکل کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ ساری کارروائی کے بعد وہ فارغ ہوئے تو مزایلی، عمر ہاشم کے کہنے پر نور عین کو چھوڑنے اس کے گھر چلی گئیں۔ مزایلی مسلسل عمر ہاشم نے رابطے میں رہی۔ نور عین کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد وہ مطمئن ہو کر وہاں سے چلی گئیں۔ عمر ہاشم نور عین کو گھر چھوڑنے جانا چاہتا تھا مگر پھر اس کی فیملی کے بارے میں سوچ کر رگ گیا۔ عمر ہاشم اسے گھر آکر بھی بہت بے چین تھا۔ اس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے بار بار نور عین کا خوف زدہ چہرہ آ رہا تھا۔ وہ اتنی بری طرح ڈری ہوئی تھی کہ کچھ بولنے کی حالت میں نہیں تھی۔ اس ڈر اور خوف کی حالت میں اگر وہ کسی کو دیکھ یا سمجھ رہی تھی تو وہ صرف عمر ہاشم ہی تھا جس کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ عمر ہاشم کو بہت کچھ باور کروا گئی تھی۔ نور عین کی ذہنی حالت بہت کمزور تھی اس کا ادراک وہ بہت پہلے ہی کر چکا تھا۔

اس نے کچھ سوچ کر نور عین کے نمبر پر خیریت دریافت کرنے کا مسیج لکھ کر سینڈ کر دیا۔ ایک منٹ کے بعد نور عین کا جواب آ گیا۔ عمر ہاشم فکر مند تھا کہ نور عین نے کچھ کھایا ہے یا نہیں؟ وہ نور عین کو مسیج کر کے پوچھنے لگا۔ نور عین نے ہاں میں جواب دیا۔ تو اسے کوئی ہوشی ہوئی۔ پھر اگلے آدھے گھنٹے تک دونوں اسی

خاموش کھڑی رہی۔ عمر ہاشم کو حیرت ہوئی کہ نور عین چونکی یا پریشان نہیں ہوئی تھی۔ جیسے وہ اسی بات کی توقع کر رہی تھی۔
”نور عین۔۔۔“

نور عین نے سنجیدگی سے کہا تو عمر ہاشم اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ وہ ایک دم بہت اداس اور بچھڑی گئی تھی۔ وہ عمر ہاشم کے سامنے سے ہٹ گئی۔ عمر ہاشم کو ایسا لگا جیسے شام کے سب منظر بھی کہیں گم ہو گئے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی یعنی وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ آج اپنے سچ سے بھاگی نہیں تھی۔

”میری دو زندگیاں ہیں۔ ایک زندگی جو والدین نے عطا کی۔ انہوں نے میرا نام نور عین رکھا مگر میری شادی جس شخص سے ہوئی، اس نے مجھے نیا نام، نئی پہچان دینے کی کوشش کی۔۔۔ اس نے مجھے نور عین سے افریقہ بنا دیا۔“ نور عین دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ ”اسے میری ماضی، میری غربت، میرے والدین، میری ہر بات سے چڑ ہے۔ وہ مردوں کی اس قسم سے تعلق رکھتا ہے جو بیوی کو پاؤں کی جوتی یا کپڑے مکوڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔“ نور عین سنجیدگی سے بول رہی تھی۔
”وہ ایسا کیوں ہے؟“ عمر ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔

”ایک بار اس نے بتایا تھا کہ اس کا سارا بچپن غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارتے ہوا گزرا تھا۔ اس کی ماں کے مرنے کے بعد، باپ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ سو تیلی ماں بہت ظالم تھی۔ وہ صرف چھ سال کا بچہ تھا۔ سو تیلی ماں اسے کمرے میں بند کر کے محلے میں گھومنے پھرنے چلی جاتی۔ وہ ڈر اور بھوک سے روتا رہتا مگر اس کی سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اکثر سو تیلی ماں اسے رسیوں سے باندھ دیتی۔ کئی کئی گھنٹے وہ اسی حالت میں رہتا۔ باپ اکثر کام کے سلسلے میں شہر سے باہر ہوتا۔ اس لیے سو تیلی ماں کو اپنی من مانی کرنے کا پورا موقع مل جاتا تھا۔ اس پر ظلم و

طرح چھوٹی چھوٹی اور بے ضرر باتیں چیت کے ذریعے کرتے رہے۔
”تم اکیڈمی ٹاسٹنگ کے بعد وہاں کیوں رکی تھیں؟“ عمر ہاشم نے ذہن میں شور مچاتے سوال کو الفاظ کا پیرہن دیا تھا۔

”میں آپ سے بات کرنا چاہتی تھی مگر اسٹیکر کتے ہوئے مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔“ نور عین نے بتایا تو عمر ہاشم احساس جرم کا شکار ہو گیا۔

”یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔“ رات سونے سے پہلے اس نے خود کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔ ”نہ میں نور عین کو اس طرح نظر انداز کرنا اور نہ یہ سب ہوتا۔“ وہ دل میں کڑھتا رہا۔

وہ سارہ کی سب باتوں کو بھلا کر صرف نور عین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

”آپ مجھ سے ناراض کیوں تھے؟“
آج کئی دنوں کے بعد وہ دونوں اکیڈمی کے بعد واک کرنے نکلے تو نور عین نے ساتھ چلتے ہوئے بالآخر وہ سوال پوچھ ہی لیا جو اسے اندر ہی اندر پریشان کیے رکھتا تھا۔ عمر ہاشم نے ساتھ چلتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی۔ جس کے چہرے پر فکر مندی واضح رقم تھی۔

”ہر سوال کا جواب ضروری نہیں ہوتا نور عین۔۔۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا تو ٹریک پر چلتی نور عین اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔
عمر ہاشم ایک دم رک گیا اور اس لڑکی کو دیکھنے لگا جس کے پشت پر شام کا سورج بھی موجود تھا۔ وہ لڑکی شام سے زیادہ اداس اور اپنی اپنی لگتی تھی۔۔۔!
”مجھے سچ سننا ہے۔ میں اب صرف سچ ہی سنتی ہوں۔“ نور عین نے بچوں کی طرح ضد کی تھی۔
”نور عین یا افریقہ۔۔۔! کس نام سے پکاروں؟“

عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا تو نور عین چند لمحے

زیادتی کا یہ سلسلہ تب تک چلا جب تک وہ اپنے حق میں آواز اٹھانے کے قابل نہیں ہو گیا۔“ نورعین نے سنجیدگی سے بتایا۔

”تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اپنی محرومی کا بدلہ دوسروں سے لے۔“ عمر ہاشم نے ناگواری سے کہا۔

”بدلہ نہیں۔ یہ اس کی فطرت بن گئی۔ وہ صرف نفرت، اذیت، دکھ جیسے منفی جذبوں کو سمجھتا اور جانتا ہے۔ آزد نے عورت کا قابل نفرت روپ دیکھا ہے اس لیے وہ عورت سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا بچپن برا گزرا، اس لیے اسے بچوں سے، بچپن کے نام سے ہی نفرت ہے۔ اسے بچپن میں جو جواذیت اور تکلیف ملی، وہ مجھے تاوان کے ساتھ لوٹا کر ذہنی سکون محسوس کرتا ہے۔ آزد تو شاید شادی بھی نہ کرتا مگر اسے اپنے گھر، اپنی خدمت کے لیے ایک ایسی کمزور اور بے سہارا لڑکی چاہیے تھی جو اس کی ہر زیادتی کو خاموشی سے بے اور اف بھی نہ کرے۔“ نورعین کے لہجے میں نمی تھی۔

”تم ایسے شخص کے ساتھ کیوں رہ رہی ہو؟“ عمر ہاشم نے حیرت سے پوچھا۔ نورعین نے گہری سانس لے کر سامنے دیکھا۔

”یہ میری قسمت کا فیصلہ ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔“ نورعین نے سادہ لہجے میں جواب دیا عمر ہاشم خاموش ہو کر اسے سننے لگا جو مدہم آواز میں آزد کے برے سلوک اور رویے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ شام ڈھل چکی تھی جب ان دونوں نے واپسی کا قصد کیا۔ عمر ہاشم، نورعین کے حالات زندگی جان کر دنگ رہ گیا تھا۔

”نورعین! میں حیران ہوں کہ آج کے دور میں بھی کوئی عورت صرف ایک گھر کے لیے ایسے مرد کا ظلم و ستم برداشت کر رہی ہے جو ذہنی طور پر بار بار نہیں ہے۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں کوشش کر رہی ہوں۔ اپنا راستہ بنانے کی۔ میں پہلے کی طرح آزد کی ہر بات نہیں مانتی ہوں او

ر میں اس سے اب ڈرتی بھی نہیں۔ اس لیے تو اپنی مرضی اور خوشی سے آرٹ اکیڈمی جوائن کر لی ہے۔“ نورعین نے ایسے کہا کہ جیسے اس نے بہت بڑا کام سر انجام دیا ہے۔ عمر ہاشم نے سر ہلا دیا۔

اس دن ہونے والی یہ ملاقات آخری ثابت نہیں ہوئی۔ اب نورعین اکثر عمر ہاشم سے اپنے گھر اور آزد کی کوئی نہ کوئی بات شیئر کر لیتی تھی۔ وہ عمر ہاشم کو اپنا بہترین دوست سمجھتی تھی۔ جبکہ عمر ہاشم اس کے لیے اپنے دل میں بہت خاص جذبہ رکھتا تھا۔ وہ کئی بار باتوں ہی باتوں میں نورعین کو ٹوٹل کر دیکھ چکا تھا مگر وہ ہر حال میں آزد کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ نورعین کی خواہش کو دیکھ کر عمر ہاشم چپ کر گیا۔

ان دنوں عمر ہاشم کو اپنی سولو نمائش کی تیاری کے لیے لندن جانا پڑا۔ جانے سے پہلے وہ نورعین سے مل کر گیا۔ نورعین اس کے جانے کا سن کر اداس تھی۔

”صرف چند دنوں کی بات ہے۔ میں لوٹ آؤں گا۔“ عمر ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ تو نورعین مسکرا دی۔ عمر ہاشم چلا گیا اور نورعین اس کے واپس آنے کے دن گننے لگی۔

☆☆☆

”ونڈرفل! کیا سچ میں یہ تم نے بنائی ہے؟“

ڈاکٹر علیہ نے حیرت سے خوب صورت پینٹنگ کی طرف دیکھا اور پھر سامنے بیٹھی نورعین کو جس کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے رنگ پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا حلیہ پہلے کی نسبت بہت بہتر ہو چکا تھا۔ نیک سبک سے تیار، دھیمے دھیمے مسکراتی ہوئی وہ بہت اچھی لگتی تھی۔

”منسنے ایلی کہتی ہیں کہ میری ڈرائنگ بہت اچھی ہے۔ میں اسکا اچھا بناتی ہوں مگر مجھے رنگوں سے کھیلنا بہت اچھا لگتا ہے۔“ نورعین جوش سے کہنے لگی۔

ڈاکٹر علیہ نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

”آپ جانتی ہیں یہ سب رنگ مجھے عمر نے دیے ہیں۔“ نورعین نے جلدی سے کہا۔

اس سے شیر کرنا چاہتا تھا۔ آرٹ اکیڈمی میں اسے دیکھ کر سب بہت خوش ہوئے۔ اس کا استقبال گرم جوشی سے کیا گیا۔ اس کا اسٹاف، اس کے کولیکٹرز، اس کے طالب علم سب ہی اسے دیکھ کر خوش تھے۔

عمر ہاشم کی بے چین نگاہیں جس چہرے کو ڈھونڈ رہی تھیں، وہ ان سب میں موجود نہیں تھا۔ عمر ہاشم بہت مایوس ہوا۔

”نور عین آرٹ اکیڈمی چھوڑ کر جا چکی ہے۔“ فراغت پاتے ہی عمر ہاشم نے جب مسز ایلی نے نور عین کے بارے میں سرسری انداز میں سوال کیا تو انہوں نے کہا جسے سن کر عمر ہاشم چونک گیا۔

”مگر کیوں؟“ عمر ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔

”سنا ہے کہ وہ واپس اپنے ملک چلی گئی ہے۔“ مسز ایلی نے کندھے اچکا کر کہا۔ عمر ہاشم حیرت میں گم انہیں سن رہا تھا۔ عمر ہاشم وہاں سے باہر نکلا تو اس نے نور عین کو کال ملائی مگر پچھلے ایک ہفتے کی طرح آج بھی اس کا نمبر بند ملا۔ عمر ہاشم کو یاد آیا کہ نور عین نے اسے بتایا تھا کہ وہ آزد کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جا رہی ہے۔ عمر ہاشم اور نور عین کی روزانہ کی بنیاد پر بات چیت نہیں ہوتی تھی وہ بس چیٹ پر ایک دوسرے کا حال دریافت کر لیتے تھے۔

عمر ہاشم گم صدم حالت میں وہاں سے گھر جانے کے لیے روانہ ہوا، مگر پچھلے آدھے گھنٹے سے سڑکوں کی لمبائی کو ناچتے ہوئے بھی وہ اپنے دل کو گھر جانے پر آمادہ نہیں کر سکا تھا۔ وہ سگنل پر رکا جب اس کی نظر کچھ دور فٹ پاتھ پر پڑی۔ فٹ پاتھ بنے یارک کو دور سے دیکھتے ہوئے وہ کسی خیال سے چونک گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس حادثے والے دن مسز ایلی اور فرح نور عین کو اس کے گھر ڈراپ کرنے گئی تھیں۔ عمر ہاشم نے فوراً مسز ایلی کو کال ملائی اور سلام دعا کے بعد نور عین کے گھر کا پتا پوچھنے لگا۔

”نور عین کے اصرار کرنے پر ہم نے اسے ایک جگہ اتار دیا تھا بقول نور عین کے اس کا گھر پاس ہی تھا

”ہاں! میں تمہارے چہرے پر سب رنگ دیکھ سکتی ہوں۔“ ڈاکٹر علیہ کا سادہ لہجہ معنی خیز تھا مگر اپنی دھن میں بولتی نور عین نے غور نہیں کیا۔

”عمر میرا بہترین دوست ہے۔“ نور عین نے غریبہ انداز میں کہا تو ڈاکٹر علیہ نے سر ہلایا تھا۔

”بہت اچھی بات ہے نور عین! ایک اچھا اور سچا دوست ہماری طاقت ہوتا ہے۔“ ڈاکٹر علیہ نے نرمی سے کہا۔

”ہاں عمر میری ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں۔“ نور عین نے معصومیت سے کہا تو ڈاکٹر علیہ کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔

”تم اس سے جھوٹ تو نہیں بولتی ہو؟“ ڈاکٹر علیہ کے سوال پر نور عین ایک لمحے کے لیے چپ کر گئی۔

”نور عین! جھوٹ کا اثر دھاہر رشتے کو نگل لیتا ہے۔“ ڈاکٹر علیہ نے کہا تو نور عین ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”میں چلتی ہوں۔ آج بہت کام ہے۔ آپ کو پتا ہے دو دن کے بعد عمر ہاشم کی سولوا اگیزیشن ہے۔ جو۔۔۔“

نور عین کچھ اور بھی کہہ رہی تھی مگر ڈاکٹر علیہ کا ذہن ایک نام پر انک کر رہ گیا تھا۔ نور عین کے جانے کے بعد وہ زیر لب اس نام کو دہرانے لگی

”عمر ہاشم۔۔۔“ ڈاکٹر علیہ نے حیرت سے دہرایا۔ کچھ سوچ کر اس نے اپنے موبائل میں موجود ایک نمبر کو ڈائل کیا۔ دوسری طرف فوراً کال پک کر لی گئی۔

ہیلو سارہ۔۔۔! سارہ کی گرم جوش آواز سن کر ڈاکٹر علیہ کے چہرے پر نرم مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

اپنی کامیاب سولوا اگیزیشن کے بعد جب وہ دو ہفتے کے بعد واپس لوٹا تو ایئر پورٹ سے سیدھا اپنی آرٹ اکیڈمی گیا۔ وہ نور عین سے ملنے کے لیے بہت بے چین تھا۔ وہ اپنی کامیابی، اپنی خوشی سب سے پہلے

عمر ہاشم کو واپس آئے دس دن ہو چکے تھے مگر ابھی تک اسے نورعین کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس دن فراغت ملتے ہی عمر ہاشم شاپنگ مال چلا گیا۔

ایکسلیٹر سے اوپر والے فلور پر جا رہا تھا جب اچانک اس کی نظر دوسری طرف ایکسلیٹر سے نیچے جاتی ہوئی ایک لڑکی پر پڑی۔

”نورعین!“ اس کے سائیڈ پوز سے عمر ہاشم نے فوراً پہچان لیا تھا۔ عمر ہاشم جیسے ہی دوسرے فلور پر پہنچا اس نے نیچے جانے والی بجلی کی سیڑھیوں پر قدم رکھ دیے۔ بے صبری سے بار بار نیچے دیکھتا ہوا جب وہ فلور پر پہنچا تو اسے وہ لڑکی شیشے کے دروازے سے باہر نکلتی ہوئی نظر آئی۔ عمر ہاشم دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگا۔

”نورعین!“ عمر ہاشم نے پکارا مگر لوگوں کے ہجوم میں اس کی آواز دب کر رہ گئی۔ عمر ہاشم جب تک باہر پہنچا وہ لڑکی فٹ پاتھ پر پہنچ چکی تھی۔ اس کی پشت عمر ہاشم کی طرف تھی۔ لڑکی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سڑک کر اس کرنے کی کوشش کی جب ایک تیز رفتار گاڑی نے اسے ٹکرا دی۔ عمر ہاشم جہاں تھا وہاں ہی ٹھم کر رہ گیا۔ اس کے ذہن نے سوچنے سمجھنے سے جیسے انکار کر دیا تھا۔ کب ایسبولینس آئی اور اس لڑکی کو ہسپتال لے گئے عمر ہاشم اس وقت چونکا جب ایسبولینس کا سائرن بجا۔

عمر ہاشم نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی روکی اور اس میں سوار ہو گیا۔

ہسپتال پہنچ کر اس نے لڑکی کو دیکھا تو بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا وہ نورعین نہیں تھی۔ اور اس لڑکی کو معمولی چوٹیں آئی تھیں۔

وہ ٹیکسی لے کر واپس شاپنگ مال گیا۔ پارکنگ میں سے اپنی گاڑی لی اور اس کا رخ آرٹ اکیڈمی کی طرف موڑ دیا۔

”تھوڑی سی دیر میں نجانے میں کتنی بار جیا اور مرا تھا۔۔۔ اگر اس لڑکی کی جگہ سچ میں نورعین ہوتی تو؟“ اس سے زیادہ عمر ہاشم نہیں سوچنا چاہتا تھا

”مسز ایلی نے سنجیدگی سے کہا تو عمر ہاشم نے شکر یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ آزد کے سخت رویے کی وجہ سے نورعین کسی کو اپنے گھر تک نہیں لے جانا چاہتی تھی۔

”نورعین! تم کہاں ہو؟“ شہر کی وسعت سے ہار مانتے ہوئے عمر ہاشم نے تھک کر خود کلامی کی تھی۔

☆☆☆

تم نے دیکھا ہی نہیں خواب کا مرنا لوگو۔۔۔ تم کو معلوم نہیں ضبط کی قیمت کیا ہے۔۔۔! نیم تاریک کمرے میں وہ زمین پر بیٹھی، گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ آج کی رات بھی اس پر بھاری تھی۔ وہ اپنی تکلیف اور اذیت کی انتہا پر کھڑی تھی۔ دنیا میں آپ شاید سب سے چھپ سکتے ہیں مگر کبھی بھی خود سے نہیں بھاگ سکتے۔ پچھلے دو سالوں سے وہ خود کو شدید اذیت ہی تو پہنچا رہی تھی۔ وہ اس تکلیف اس اذیت کی عادی ہو چکی تھی۔ ورنہ ایک سچ تو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ چاہتی تو ہاتھ بڑھا کر اسے تھام سکتی تھی مگر ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی اپنے اندر کی لڑائی سے ہار رہی تھی۔ آزد کے لگائے زخم صرف اس کے جسم تک محدود نہیں رہے تھے۔ وہ اس کی روح کو بھی زخمی کر چکے تھے۔ وہ ہر وقت ایک ان دیکھے درد میں مبتلا رہتی۔

شاید وہ اس درد کو اپنا نصیب مان جاتی مگر اب اس کے جسم میں پھیلے درد کو کسی مرہم کی طلب ہونے لگی تھی۔ اس طلب کے سامنے اس کے خوف سانپ بن کر پھن پھلائے کھڑے تھے۔ جن کے زہر سے پہلے ہی اس کا جسم، اس کا ذہن، اس کی روح نیلونیل تھے۔

تو نے دیکھی ہی نہیں زخم پہ مرہم کی جلن

تو نے دیکھا ہی نہیں چہرے پر دھکار کا دکھ

☆☆☆

”نور عین کو کھونے کے ڈرنے اس پر آشکار کیا تھا کہ وہ نور عین سے کتنی شدت سے محبت کرتا ہے۔“
 عمر ہاشم نے اپنی آرٹ اکیڈمی کی پارکنگ میں گاڑی روکی تو اس کی بے ساختہ نظر سامنے والے بیچ پر پڑی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔

”نور عین کا دل زور سے دھڑکا۔“
 ”مم۔۔۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“
 نور عین کو لگا کہ اس لمحے کا گزر جانا بہت ضروری ہے۔ اس نے عمر ہاشم کی بات نہیں سنی اور تیزی سے اپنا بیگ اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

عمر ہاشم خاموشی سے میز پر رکھی اس کی نوٹ بک کو دیکھنے لگا۔ جو وہ جلدی میں اٹھانا بھول گئی تھی۔
 عمر ہاشم نے ہاتھ بڑھا کر نوٹ بک اٹھالی۔

”نور عین کی طرف دیکھا اور اسی سے مسکرا دی۔“
 ”بعض آنکھیں، بعض ہونٹ صرف مسکرانے کے لیے بنے ہوتے ہیں۔۔۔“
 نور عین کا چہرہ بھی ان میں سے ایک تھا۔

☆☆☆

”میں جانتی ہوں آپ مجھ سے خفا ہیں مگر میں آزد کے ساتھ ان کے دوست کے فارم ہاؤس پر گئی تھی جہاں۔۔۔“

”تمہیں اس کی بات سن لینی چاہیے تھی۔“
 وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھیں۔ سیماس نے چائے کے ساتھ نور عین کا پسندیدہ کیک بیک کیا تھا۔ موجب کے ساتھ کچھ وقت گزار کر وہ سیماس سے باتیں کرنے لگی۔ عمر ہاشم سے ہونے والی آخری ملاقات کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ اداس لگ رہی تھی۔

نور عین اور وہ دونوں کینے ٹیریا میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے درمیان بھاپ اڑاتی کافی کگ رکھے ہوئے تھے۔
 ”نور عین! تم آئندہ مجھے بغیر بتائے غائب نہیں ہوگی۔“
 عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا تو نور عین نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

”میں جانتی ہوں کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“
 نور عین نے آہستہ آواز میں کہا۔
 ”تم اس کے دل کا حال جانتی ہو اور اپنے دل کا۔۔۔؟“
 سیماس حیدر نے نرمی سے پوچھا۔

”آپ کی ایگزیشن کیسی رہی؟“
 نور عین نے مسکرا کر سوال کیا۔

”کامیاب۔ میری ایک پینٹنگ کو سب سے زیادہ سراہا گیا بلکہ اس کی منہ مانگی قیمت بھی رکھی مگر میں نے وہ سیل کرنے کے لیے نہیں بنائی۔“
 عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔

نور عین دچھسی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
 عمر ہاشم اپنی نظر کافی کگ پر مرکوز رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا مگر اس کا ضبط کھ رہا تھا کہ صرف نور عین کو دیکھو اور کچھ بھی نہیں۔۔۔۔!

”اچھا! وہ پینٹنگ کیسی ہے؟“
 نور عین نے اشتیاق سے سوال کیا۔
 ”تمہیں دکھاؤں گا۔ جب تم میرے گھر آؤ گی۔“

”وہاں صرف درد ہے۔“
 نور عین نے بے بسی سے کہا۔
 ”درد نہیں ڈر۔۔۔!“
 سیماس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”پتا نہیں۔۔۔“
 نور عین نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

نور عین! محبت ہر ڈر سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔
 ”سیماس مسلسل اسے قائل کرنے کی کوشش میں تھی۔“
 ”محبت نہیں صرف پسندیدگی۔۔۔ میں عمر ہاشم کو پسند کرتی ہوں کیونکہ وہ پسند کیے جانے کے قابل ہیں۔“

۔۔۔! ان کی سحر انگیز شخصیت، نام، شہرت، رتبہ، ہنر، بیک گراؤنڈ۔۔۔! مجھے کیا یہ تو کسی کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔“ نورعین کہتے ہوئے کھوکھلی ہنسی ہنس پڑی۔
 ”نورعین۔۔۔! اپنے دل میں جھانک کر دیکھو!۔۔۔“
 ”سیماں بھند گئی۔ نورعین کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
 ”وہاں صرف کسی کے دیے زخم ہیں۔ خوف ہے، بے تحاشا ڈر ہے۔ اذیت ہے۔“ نورعین نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
 ”مجھے یقین ہے کہ ایک دن اس ڈر پر محبت غالب آجائے گی۔“

سیماں نے پر امید انداز میں کہا تو نورعین سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے اپارٹمنٹ میں ایک عفریت اس کا منتظر تھا۔

☆☆☆

”نورعین! تم ٹھیک ہو؟ پانچ دن کے بعد وہ اپنی نوٹ بک لینے عمر ہاشم کی آرٹ اکیڈمی آئی تھی۔ جب اس کے سوچے چہرے اور آنکھوں کو دیکھ کر عمر ہاشم نے فکر مندی سے سوال کیا۔
 ”ہاں بس طبعیت خراب تھی۔“ نورعین نے اپنی نوٹ بک پکڑتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔
 عمر ہاشم چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔
 ”نورعین! مجھ سے شادی کرو گی؟“ عمر ہاشم نے اچانک کہا کہ نورعین سا کڈرہ گئی۔
 ”سب جانتے ہوئے بھی کہ۔۔۔۔۔“ نورعین نے بے شکل جملہ مکمل کیا۔

”ہاں سب جانتے ہوئے بھی کہ تم شادی شدہ ہو مگر اس رشتے سے خوش نہیں ہو۔ آزد کو چھوڑ دو نورعین۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔
 نورعین لٹی میں سر ہلانے لگی۔

”نورعین! کیا تم اس سے محبت کرتی ہو؟“ عمر ہاشم نے الجھ کر پوچھا۔ اب کی بار بھی نورعین نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”پھر کیسی مجبوری ہے؟“ عمر ہاشم حیران تھا۔ نورعین کے چہرے پر تذبذب کے آثار تھے۔ وہ

جیسے خود اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔
 ”آپ بس میرے دوست ہیں۔“ نورعین کسی نتیجے پر پہنچ گئی تو فوراً بولی۔ عمر ہاشم خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

سنو جو ہو نہیں سکتا اسے ہم فرض کرتے ہیں۔ چلو ہم فرض کرتے ہیں تمہیں ہم سے محبت ہے۔۔۔!
 ”نورعین! یہ تھوڑا مشکل ہے جسے ہم محبوب کا درجہ دیں، اسے دوست نہیں سمجھ سکتے۔“ عمر ہاشم نے بے چارگی سے کہا۔

”کیوں؟ دوستی سے ہی ہر رشتے کی ابتداء ہوتی ہے۔“ نورعین بچوں کی طرح ضد پر اڑی ہوئی تھی۔
 عمر ہاشم نے گہری سانس لی۔

”محبت کو کسی ابتداء کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ بس ہوتی ہے، بغیر کسی وجہ سے، بغیر کسی سہارے کے۔۔۔!“
 عمر ہاشم نے کہا تو نورعین چپ کر گئی۔
 ”محبت کیسی ہوتی ہے؟“ نورعین نے کھوئے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”دعا جیسی۔۔۔! جو ملے یا نہ ملے مگر اس کی تاثیر، اس کا کرم آخری سانس تک رہتا ہے۔“
 عمر ہاشم نے نورعین کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ نرم تھا اور آنکھیں کئی رنگوں سے بجی ہوئی تھیں۔ نورعین کو ابھن میں دیکھ کر عمر ہاشم نے بات کا رخ موڑ دیا۔

”میری سالگرہ پہ آؤ گی؟“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ نورعین بے ساختہ ہنس پڑی۔

”آپ سالگرہ مناتے ہیں؟“ نورعین نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ عمر ہاشم نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”اپنے والدین کے بعد کبھی نہیں منائی مگر اب منانا چاہتا ہوں۔“

عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔ نورعین اس کے والدین کے بارے میں سن کر اداس ہو گئی تھی۔

”میں آؤں گی مگر میرے پاس آپ کو دینے

کے لیے مہنگا تحفہ نہیں ہے۔“ نور عین نے کہا۔
 ”تم آجانا! میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔“
 ”عمر ہاشم نے کہا تو نور عین نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا تھا۔“

☆☆☆

”ساگرہ مبارک بھائی۔“

سارہ نے عمر ہاشم کو گلے سے لگاتے ہوئے مبارک باد دی۔ وہ کچھ دیر پہلے اکیلی ہی سر پرانز وزٹ پر اس سے ملنے آئی تھی۔ عمر ہاشم اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب سے وہ یہاں سے گئی تھی دونوں میں رابطہ بہت کم رہنے لگا تھا۔ شاید سارہ کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ عمر ہاشم کو ہرٹ کرنے کی وجہ بنی ہے۔ اس لیے وہ اسے منانے کے لیے دبی پہنچ گئی تھی۔

”میں بس دو دن کے لیے آئی ہوں۔“ سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

”بچوں کو بھی ساتھ لے آئیں۔“ عمر ہاشم نے کہا تو سارہ مسکرا دی۔

”ان شاء اللہ اگلی بار ہم سب آئیں گے۔“ سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور صوفے سے ٹیک لگا لی۔

”میں تمہارے لیے زبردست سے کافی بناتا ہوں۔“ عمر ہاشم نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”کسی کا انتظار ہے۔“

سارہ نے اس کی بے چینی نوٹ کر لی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھتے عمر ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
 ”تمہاری میڈ کہاں ہے؟“ سارہ نے اسے جانے سے روکا تھا۔

”وہ کچھ سامان لینے قریبی مارکیٹ گئی ہے۔ کچھ دیر میں آجائے گی۔“ عمر ہاشم نے مسکرا کر کہا اور کافی بنانے کچن میں چلا گیا۔

سارہ سرسری انداز میں لاؤنج کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی نظر بالکونی کے گلاس ڈور پر پڑی۔ جہاں ایک کیونس اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا مگر اس پر سفید رنگ کا

کپڑا پڑا ہوا تھا۔ سارہ مسکرانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ عمر ہاشم اس جگہ ہمیشہ خاص کام کرتا ہے جو اس کے دل کے قریب ہو۔ سارہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بالکونی کی طرف بڑھ گئی۔ بالکونی سے سامنے کا منظر بہت واضح تھا۔ کچھ دور موجود سمندر کی لہروں کا شور اور مد و جزر صاف نظر آ رہا تھا۔ تیز ہوا سے لٹکے ہوئے مختلف ونڈ چائٹم بچ رہے تھے۔ سارہ نے آس پاس موجود پودوں اور پھولوں کو متاثر نظروں سے دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر کیونس پر سے سفید کپڑا ہٹا دیا۔ سامنے ایک مکمل پینٹنگ موجود تھی۔ فٹ ہاتھ کے کنارے لگے درخت کے گرے خشک پتوں پر چلتی لڑکی کی پشت واضح تھی۔ لڑکی کے ٹاپ اور پھولوں والی اسکرٹ اور کمرے پر بکھرے بالوں سے سارہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ پینٹنگ کس کی ہے؟

”کیسی لگی؟“ اس وقت عمر ہاشم کی مطمئن آواز گونجی تو سارہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا جو کافی کاگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”فضول۔“ سارہ نے ناگواری سے کہا تو عمر ہاشم ہنس پڑا۔ سارہ نے کافی کاگ تھام لیا۔

”تم جانتی ہو لندن ایگزیشن میں اس پینٹنگ کو سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔ حتیٰ کہ اس کے منہ مانگے دام دینے کے لیے بھی لوگ تیار تھے۔۔۔“ عمر ہاشم نے فخریہ انداز میں کہا تو کافی کے سب لیتی سارہ نے طنزیہ انداز میں پینٹنگ کی طرف دیکھا تھا۔

”ایسا کیا خاص ہے اس میں؟“ سارہ نے غور سے پینٹنگ کی طرف دیکھا۔

”شاید کچھ بھی نہیں مگر شاید سب کچھ ہی۔۔۔“ عمر ہاشم کا انداز مدہم تھا۔

”سر! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔“ میڈ نے باادب انداز میں کہا۔ وہ کچھ دیر پہلے بازار سے واپس آئی تھی۔

”میں ان کا انتظار ہی کر رہا تھا۔“ عمر ہاشم نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو میڈ سر ہلاتی واپس مڑ گئی جبکہ سارہ ابھی ہوئی نظروں سے

اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میڈ کی رہنمائی میں گھبرائی ہوئی سی نور عین اندر داخل ہوئی۔ اس نے سفید رنگ کا سفید موتیوں سے سجا بہت نفیس اور خوب صورت ڈریس پہنا ہوا تھا۔ اس کے خوب صورت لمبے دار بال کھلے ہوئے تھے۔ ہلکے سے میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”سالگرہ مبارک۔“ نور عین نے مسکراتے ہوئے سفید پھولوں کا بکے عمر ہاشم کی طرف بڑھایا جسے اس نے فوراً تھام لیا۔ نور عین کی نظر لمبے چوڑے عمر ہاشم سے ہوتی ہوئی پیچھے کھڑی سارہ پر پڑی تو وہ چونک گئی۔ سارہ بہت غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نور عین کا سارا اعتماد اڑ بچھو ہو گیا۔ وہ گھبرا کر عمر ہاشم کی طرف دیکھنے لگی۔

”نور عین! تم بیٹھو۔ کچھ دیر تک مزہ ایلی اور فرح بھی چہنچہنے والی ہیں۔“

عمر ہاشم نے نرمی سے کہا تو نور عین سر ہلاتی ہوئی فوراً صوفے پر بیٹھ گئی مگر وہ بے چینی سے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو مروڑ رہی تھی۔

”سارہ!“

عمر ہاشم نے اشارہ کر کے سارہ کو اپنے پیچھے آنے کا کہا تو سارہ منہ بناتی چلی گئی۔ اس کے وہاں سے جانے کے بعد میڈ فرلش جوس نور عین کے لیے لے آئی تھی۔ نور عین جوس پیتے ہوئے عمر ہاشم کے گھر کا جائزہ لینے لگی۔ سامنے پتی ٹیشے کی بڑی سے دیوار کے پار شام ابھی ڈھلی نہیں تھی۔ نور عین نے سر گھمایا تو اسے بالکونی کے کھلے دروازے سے سمندر کا کچھ حصہ دکھائی دیا۔ نور عین بے ساختہ اٹھی اور بالکونی کی طرف بڑھ گئی۔ بالکونی میں رکھے پودوں اور پھولوں کو دیکھتے ہوئے اس کی نظر سامنے رکھی پینٹنگ پر پڑی تو وہ چونک گئی۔ وہ بہت غور سے پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔

”کیسی لگی؟“ عمر ہاشم کی آواز پر نور عین نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ جو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا

تھا۔

”بس ٹھیک ہے۔“ نور عین نے سنجیدگی سے کہا۔

”بس ٹھیک! تمہیں پتا ہے یہ وہ ہی پینٹنگ ہے جسے سب سے زیادہ پذیرائی ملی ہے۔“ عمر ہاشم نے حیرت سے کہا تو نور عین سر ہلانے لگی۔

سمندر کی ہوا سے اس کا ستاروں سے سجا آئینل اور بال اڑ رہے تھے۔ عمر ہاشم بہت خاموشی سے سمندر کے شور میں نظر آتی خاموش لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

”میں نے آج جل پری دیکھ لی ہے۔“ عمر ہاشم نے کہا تو نور عین حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ عمر ہاشم شرارت سے مسکرا دیا۔

”اور کیا تمہیں اس جل پری نے یہ بتایا ہے کہ اس کی زندگی کا سچ کیا ہے؟“ سارہ کی طنزیہ آواز پر عمر ہاشم نے پلٹ کر دیکھا۔

”سارہ! میں آج کے دن کوئی بحث نہیں چاہتا ہوں۔ پلیز۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔

نور عین تیزی سے وہاں سے نکلی اور سارہ کے پاس سے گزر کر صوفے کی طرف بڑھی۔ سارہ نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

”کیا تم نے عمر کو نہیں بتایا کہ تم ذہنی مرہضہ ہو۔ جو کافی عرصے سے ڈاکٹر علینہ سے اپنا علاج کروا رہی ہے۔“ سارہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ نور عین کا چہرہ زرد ہوا۔ اس نے گردن موڑ کر عمر ہاشم کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”م۔م۔م۔ میں۔۔۔“ نور عین نے سارہ سے کچھ کہنا چاہا مگر آنسوؤں سے گلا بندھ گیا۔ سارہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ نور عین بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ عمر ہاشم بت بنا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

”یہ لڑکی تمہیں پاگل بنا رہی ہے۔ شوہر کے ہوتے ہوئے تم سے چکر چلا رہی ہے۔“ سارہ نے جلدی سے کہا۔

عمر ہاشم نے ایک نظر اپنی بہن کے چہرے پر ڈالی۔ عمر ہاشم گہری سانس لیتے ہوئے آگے بڑھا اور اس نے نرمی سے بہن کا ہاتھ تھام لیا۔

”سارہ۔۔۔! عمر ہاشم کی آواز میں ترحم تھا۔ فکر تھی۔ سارہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

ٹیکسی سے نیچے اترتی نورعین کو دیکھ کر اپنے بچوں کے ساتھ باہر ٹھیکتی سیماں چونک گئی۔ نورعین کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں رونے کی وجہ سے سو جی ہوئی تھیں۔

”نورعین! سب ٹھیک ہے؟“ سیماں نے فکر مندی سے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ نورعین، عمر ہاشم کی سالگرہ پر اس کے گھر گئی تھی۔ نورعین کا میک اپ بھی اس نے کیا تھا۔ اس کی تیاری میں پوری مدد کروائی تھی۔ نورعین تیزی سے سیماں کے پاس آئی اور اس کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سیماں نے پریشانی سے اس پاس گزرتے لوگوں کو دیکھا اور پھر نورعین کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی۔

”کیا ہوا؟“ لاؤنج میں آکر صوفے پر بٹھاتے ہوئے سیماں سے پوچھا تو نورعین نے روتے ہوئے ساری بات بتادی۔ سیماں گہری سانس لے کر رہ گئی۔

”نورعین! اس میں ساری غلطی تمہاری ہے۔ تم بھی تو قسطوں میں عمر ہاشم کو اپنے سچ کے بارے میں بتا رہی ہو۔“

سیماں نے کہا تو سوسوں کرتی نورعین نے سراٹھا کر دیکھا۔

”میرا سچ جان کر وہ مجھ سے نفرت بھی کر سکتے ہیں۔“ نورعین نے کسی خدشے کے تحت کہا۔

”نفرت تمہارے سچ سے نہیں، تمہارے کہے جھوٹ سے ضرور ہو سکتی ہے۔“ سیماں نے ایمان داری سے تجزیہ کیا۔ نورعین پریشان ہو گئی۔

”نورعین! ایک لمحے کے لیے سوچو، کیا تم عمر ہاشم کو کھونا چاہتی ہو؟“ سیماں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ نورعین کا دل بے اختیار ڈوب گیا تھا۔ اس نے ہونٹ چباتے ہوئے نظریں جھکا لی تھیں۔

”آخر کب تک تم ہر سچ سے نظریں چراتی رہو گی۔“ سیماں نے نرمی سے کہا۔

”میں کیسے بھول جاؤں کہ آزد نے میرے ساتھ کیا نہیں کیا ہے۔ میں کیسے بھول جاؤں کہ آزد کے دیے زخم میرے جسم پہ نہیں روح پر لگے ہیں۔ میں کیسے آزد۔۔۔!“ نورعین نے بے بسی سے کہا۔

سیماں نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ ”بھول جاؤ نورعین! کہ آزد نے تمہیں کتنی تکلیف دی، کس اذیت میں مبتلا رکھا۔ تمہارے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا۔ سب بھول جاؤ۔۔۔ کیونکہ دو سال پہلے آزد مر چکا ہے۔“

سیماں حیدر کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔ نورعین کم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن کے پردے پہ وہ رات، وہ حادثہ آج بھی زندہ تھا۔

”مجھے آج بھی یقین نہیں آتا کہ وہ اتنی آسانی سے مر گیا ہے۔“ نورعین نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

”اللہ کا انصاف ایسا ہی ہوتا ہے۔ ظالم کی رسی کب تک دراز رہ سکتی تھی۔ ہو سکے تو اسے معاف کر دو۔ اس کے پاس زیادہ اچھے عمل نہیں ہیں۔ شاید تمہاری معافی اس کی آگے کی منزل کو آسان کر دے۔“ سیماں نے نرمی سے سمجھایا تو نورعین نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

”میں اس دن اسے معاف کر دوں گی جب اس کے آسیب سے نجات پا کر زندگی میں آگے بڑھوں گی۔“

نورعین نے بے بسی سے کہا۔ ”اور وہ وقت دور نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے۔ عمر ہاشم رب کی طرف سے تمہارے صبر کا انعام ہے۔“ سیماں حیدر نے کہا۔

”اگر وہ مجھ سے بدگمان ہو گئے تو۔۔۔“ نورعین کا ذہن ایک طرف ہی اٹکا ہوا تھا۔ سیماں نے اطمینان بھری سانس لی کیونکہ یہ نورعین میں مثبت تبدیلی تھی۔ ورنہ پچھلے دو سالوں میں وہ صرف آزد کے ڈر اور یاد

”نور عین کے زندگی کا سچ عمر ہاشم کو نہ بتاؤں
کیوں سارہ؟“ ڈاکٹر علیہ نے اس کی آنکھوں میں
دیکھا۔

”وہ لڑکی عمر کے قابل نہیں ہے۔“ سارہ نے چڑ
کر کہا۔

”اس کا فیصلہ عمر کو کرنے دو۔“ ڈاکٹر علیہ کا لہجہ
سنجیدہ تھا۔

”عمر اس کی محبت میں پاگل ہو چکا ہے۔ وہ کچھ
نہیں سمجھ رہا۔ اسے سامنے کا سچ نظر نہیں آ رہا۔ نور عین
شادی شدہ اور پاگل لڑکی ہے۔ وہ میرے قابل بھائی
کے ساتھ سوٹ نہیں کرتی۔ میں اپنے بھائی کے لیے
بہترین لڑکی ڈھونڈوں گی اور.....“ سارہ غصے سے بول
رہی تھی۔ ڈاکٹر علیہ نے گہری سانس لی۔

”عمر ٹھیک کہتا ہے۔ تمہیں سچ میں علاج کی
ضرورت ہے۔“ ڈاکٹر علیہ نے کہا تو سارہ کا چہرہ
سرخ ہو گیا۔

”تم۔۔۔“ سارہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”سارہ! تم اپنی نفرت میں اتنا آگے بڑھ رہی
ہو کہ ہر سچ کو جھٹلا رہی ہو.....“ ڈاکٹر علیہ نے سخت
انداز میں کہا۔

”کون سا سچ؟“ سارہ نے چلا کر کہا۔

”یہ سچ کہ نور عین شادی شدہ تھی۔۔۔!“ ڈاکٹر
علیہ نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ یہ سچ کہ نور عین
کا شوہر سانیکو تھا۔۔۔ یہ سچ کہ نور عین کا شوہر دو سال
پہلے مر چکا ہے۔ یہ سچ کہ نور عین اپنے شوہر کے الوڑ
ن کا شکار ہے۔۔۔ یہ سچ کہ نور عین سے محبت کرتا
ہے۔۔۔ بالکل ویسا ہی جیسے نور عین عمر سے محبت کرتی
ہے۔۔۔ مگر اپنے خوف سے مقابلہ نہیں کر پا رہی ہے
۔۔۔!“

ڈاکٹر علیہ نے کہا تو سارہ نے سر جھکا لیا۔ اس
کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
”سارہ! تم اتنی سخت دل تو کبھی بھی نہیں تھیں
.....“ علیہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ تم مجھے کس مقصد

کے حصار میں ہی قید تھی۔
”ایسا نہیں ہوگا۔“ سیماں نے پورے یقین
سے کہا۔

”آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہیں۔“
نور عین نے حیرت سے سوال کیا۔

”میں عمر ہاشم سے مل چکی ہوں۔“ سیماں نے
انکشاف کیا تو نور عین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ
رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں وقت کی کرسی پر بیٹھنے والے بدلتے
رہتے ہیں۔ کل جہاں نور عین ڈاکٹر علیہ کے سامنے
والی کرسی پر بیٹھی نظر آتی تھی آج وہاں سارہ موجود تھی
۔۔۔!

سارہ کے چہرے پر ویرانی اور آنکھوں میں
اضطراب تھا۔ اس کے حسن، سلیقے، لباس کی مثال
لوگ دیتے تھے مگر آج اس کا حلیہ بہت سادہ اور کچھ
بکھرا ہوا تھا۔ اس کی روٹی ہوئی آنکھیں بہت سی
کہانیاں سنارہے تھے۔ ڈاکٹر علیہ ہمدردی سے اپنی
دوست کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟“ سارہ نے
ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیا؟“ ڈاکٹر علیہ نے مطمئن انداز میں
سوال کیا۔

”یہ ہی کہ تمہاری عمر سے ملاقات ہوئی تھی۔“
سارہ نے چڑ کر کہا۔

”وہ تو پہلے بھی کئی بار ہوئی ہے۔ اب کیا نیا ہے
“علیہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ سارہ تپ
تپ رہی۔

”علیہ! تم نے عمر کو نور عین کے بارے میں کیا
بتایا؟“ سارہ نے غصے سے سوال کیا۔

”وہ ہی جو تمہیں بتایا۔“ ڈاکٹر علیہ نے
اطمینان سے کہا۔ سارہ میز پر ہاتھ رکھ کر آگے ہوئی۔

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ.....“ سارہ دانت
پیس کر کہنے لگی۔

کے لیے استعمال کرتی رہی ہو۔“ علیہ کے لہجے میں افسوس تھا۔

”جب میں نے پہلی بار تمہیں اور نورعین کو شاپنگ مال میں دیکھا تھا۔ اس وقت تم نورعین سے بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ میں بھی کہ وہ تمہاری دوست ہے۔ اس لیے جب ہماری بات ہوئی تو میں نے تم سے ہمدردی میں بتایا کہ نورعین میری کلائنٹ ہے۔ تمہارے اصرار پر اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں بات کی۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر علیہ افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”ہاں! جب میں پہلی بار نورعین سے ملی تو مجھے وہ ڈری سبھی سی لڑکی اپنے بھائی کے لیے بہت اچھی لگی۔ نورعین کا اعتماد اور دوستی حاصل کرنے کے لیے میں نے اس کے ساتھ وقت گزارنا شروع کر دیا تھا۔ میں اسے روز شاپنگ پہ لے جاتی۔ جہاں لے جانے کا مقصد صرف اس کا اعتماد بحال کرنا تھا۔ پھر جب تم نے مجھے نورعین کے ماضی کے بارے میں بتایا تو میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ اس لڑکی کو ہر حال میں عمر کی زندگی سے باہر نکالنا ہے۔ میں نے نورعین سے ملنا چھوڑ دیا۔ نورعین جو پہلے ہی کمزور شخصیت کی مالک تھی میرے خشک رویے پر پیچھے ہٹ کر اپنے خول میں سمٹ گئی۔ میں بھی کہ نورعین کے منظر سے ہٹنے کی وجہ سے عمر اسے بھول جائے گا مگر اس کی نورعین میں بڑھتی دلچسپی کو دیکھ کر میں نے عمر کو آدھا ج بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے اور اس کا نام افریقہ ہے۔“

سارہ کھوئے ہوئے انداز میں کہتے گزرے وقت کو یاد کر رہی تھی۔ علیہ بہت غور سے اسے کی بات سن رہی تھی۔

”عمر یہ بات سن کر ٹوٹ گیا۔ میں بھی اس کی تکلیف پر تڑپی تھی مگر میں جانتی تھی کہ یہ سب وقتی ہے۔ عمر کو نورعین سے دور کرنے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔ میں مطمئن ہو کر پاکستان چلی گئی۔ تم سے رابطے میں رہتا رہتا کہ نورعین تمہارے پاس علاج کے لیے اب بھی آ رہی ہے۔ میں نہیں جانتی تھی کہ نورعین

اور عمر آرٹ اکیڈمی میں ملتے ہیں۔ میں نہیں جانتی اگر اس دن تم مجھے فون کر کے عمر اور نورعین کے بارے میں سوال نہیں کرتیں۔“ سارہ نے ڈاکٹر علیہ کی کال کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

”پہلے میں نورعین کو تمہاری دوست سمجھتی تھی مگر اس دن جب نورعین نے عمر ہاشم کا ذکر کیا تو میں چونکی اور میں نے تمہیں کال کی۔ جو کہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔“ ڈاکٹر علیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”اس لیے میں شارٹ نوٹس پر یہاں چلی آئی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ عمر اس کے لیے کتنا سنجیدہ ہے میں نورعین کے ماضی کے بارے میں بتا کر عمر کو اس سے پیچھے کر سکتی تھی مگر۔۔۔۔۔“ سارہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا جو مطمئن انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”جب میں نے عمر سے کہا کہ نورعین ڈینی مریضہ ہے تو جانتی ہو عمر نے میرا ہاتھ تھام کر کیا کہا تھا؟“

سارہ نے اس لمحے کو یاد کرتے ہوئے کہا جو اس کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو چکا تھا۔ سارہ اس لمحے کو یاد کرنے لگی جب عمر ہاشم نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر فکر مندی سے کہا تھا۔

”سارہ! ڈینی مریضہ نورعین نہیں، تم بنتی جا رہی ہو۔“

عمر ہاشم کی آنکھوں اور چہرے پر بہن کے لیے فکر مندی تھی۔ ڈر تھا۔ سارہ کو اس کے لفظوں سے جھٹکا لگا تھا۔ اس لیے آج وہ ڈاکٹر علیہ کے کلینک میں موجود تھی۔

”میں عمر کی بات سے متفق ہوں۔ تمہاری منفی سوچ اور طرز عمل نے تمہیں ڈینی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے جو سامنے کی بات نہیں سمجھ رہیں کہ عمر ہاشم بچہ نہیں ہے۔ ایک سمجھ دار اور میچور مرد ہے۔ جو اس عمر میں کسی لڑکی سے شدید قسم کی محبت کر بیٹھا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ بچہ ہے؟ وہ نورعین سے ہر روز ملتا تھا کیا وہ نورعین کی کمزور ڈینی حالت کے بارے میں نہیں جانتا ہوگا؟ وہ سب سمجھتا تھا مگر اسے نورعین کی

ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں پتا تھا۔
 ”ڈاکٹر علیہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔“

☆☆☆

”تمہیں یاد ہے تم ایک دن اپنی نوٹ بک میرے پاس بھول گئی تھیں۔“
 عمر ہاشم اور نور عین ساحل سمندر پر موجود تھے۔ نور عین نے آج بھی سفید رنگ کا خوب صورت اور نفیس ٹخنوں تک آتا فراک پہنا ہوا تھا۔ گلے میں کاسنی اور دوسرے رنگوں کا اسکارف تھا۔ بال اس نے کچر لگا کھلے چھوڑ دیے تھے۔ وہ دونوں ساحل کی ریت پر چلتے ہوئے بار بار نظر اٹھا کر پانی کے اتار چڑھاؤ کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ عمر ہاشم نے بلیک شرٹ جس کے بازو گھٹنوں تک فولڈ تھے اور جینز پہنی ہوئی تھی۔ جینز کے پانچے اور کر کے فولڈ کیے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ننگے پاؤں ساحل کی ریت پر چل رہے تھے۔

”تمہاری نوٹ بک کے پہلے صفحے پر چند نام اور ان کے نمبر لکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نام دیکھ کر میں چونک گیا۔ کیونکہ سارہ کی وجہ سے ڈاکٹر علیہ سے میں بھی واقف تھا۔ میں اگلے دن ہی ڈاکٹر علیہ سے ملنے ان کے کلینک چلا گیا۔ ان سے ملنے کے بعد میں تمہارے بارے میں سب جان گیا تھا۔ ڈاکٹر علیہ کے بعد میں مسز سیماں حیدر سے ملا۔ ڈاکٹر علیہ سے ملنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ سارہ تمہارے بچ کو پہلے سے جانتی تھی۔“
 عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔ نور عین سر جھکائے چلتی رہی۔

”آج سے دو سال پہلے آزاد کی حادثے میں موت کے بعد بھی مجھے ایسے لگتا ہے کہ جیسے میں اس کے ڈر کی قید میں ہوں۔ اس رات آزاد کی فحاشی یا اتفاق سے ہی سہی مگر آزاد نے مجھے موت سے بچا لیا تھا اور خود حادثے کا شکار ہو گیا۔“

نور عین مدہم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کے ذہن پر آج بھی وہ منظر سلامت تھا جب سر پر آئی

گاڑی کو دیکھ کر اس نے خوف سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اپنی دھن میں بھاگتے آزاد نے جب اسے رکتے دیکھا تو جھپٹنے کے انداز میں اس کا بازو دبوچ کر اپنی طرف کھینچا۔ نور عین تو ایک طرف گرنے لگی مگر آزاد گاڑی کی زد میں آ گیا۔ گاڑی کی گھر سے وہ اڑ کر سڑک پر سر کے بل جا کر اور موقع پر ہی مر گیا۔

”آزاد کی موت کا مجھے کتنے ہی دن یقین نہیں آیا تھا۔ کیا ظلم اتنی جلدی، اتنی آسانی سے ختم ہو جاتا ہے؟ وہ تو مر گیا اور اس کی ساری جائیداد، پیسہ مجھے مل گیا۔“ نور عین سنجیدگی سے بتا رہی تھی۔

”تم پاکستان اپنی فیملی کے پاس کیوں نہیں گئیں؟“ عمر ہاشم نے حیرانی سے سوال کیا۔

”کیا کرنی وہاں جا کر.....؟ والدین کے مرنے کے بعد کون میرا منتظر ہے؟ شادی شدہ بھائیوں کو مجھ سے کوئی مطلب نہیں ہے انہیں صرف پیسہ چاہیے جو ہر مہینے میں بھیج دیتی ہوں۔“ نور عین نے سرد لہجے میں کہا۔

”تم ان سے بدگمان ہو نور عین۔“ عمر ہاشم نے سنجیدگی سے کہا تو نور عین نے نفی میں سر ہلایا۔

”آزاد کی موت کا سنتے ہی میرے بھائی اور بھابھی نے مجھ سے اس کی جائیداد اور پیسوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں سب کچھ سمیٹ کر پاکستان آ جاؤں کیونکہ وہ پاکستان میں میرے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے تھے۔“ نور عین نے طنزیہ انداز میں کہا۔ عمر افسوس سے سر ہلانے لگا۔

”میں نے آزاد کی بے تحاشا چھوڑے پیسے کو مختلف فلاحی کاموں میں خرچ کرنا شروع کر دیا شاید اس سے ہم دونوں کو سکون مل جائے۔“ نور عین نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”میں لاکھ کوشش کر لوں مگر میں اپنے لاشعور میں چھپے ڈر سے نہیں بھاگ سکتی۔ آزاد مر کر بھی میرے حواسوں پر چھایا رہا۔ میں ساری زندگی اس کے آسیب سے لڑتی رہوں گی۔“ نور عین نے ٹوٹے انداز میں کہا۔ عمر ہاشم نے گردن گھما کر نور عین کی طرف دیکھا تھا۔

ایک تصویر کی تکمیل کے ہم دو پہلو
رنگ بھرتا ہوا تو، رنگ بنانا ہوا میں

☆☆☆

آنے والے وقت کے کینوس پر عمر ہاشم نے
نور عین کی محبت اور ساتھ سے جو تصویر بنائی تھی، بلاشبہ
اس جیسی تصویر محبت کے رنگوں سے بہت کم لوگ بنا
سکے تھے۔ سارہ جب بھی ان دونوں کو خوش باش
دیکھتی تو اسے اندر ہی اندر شدید پچھتاوے کا احساس
ہوتا۔

وقت نے ثابت کیا کہ نور عین عمر ہاشم کے لیے
بہترین ہمسفر ثابت ہوئی تھی۔ بالکل ویسا ہی ہمسفر
جس کی خواہش عمر ہاشم نے ہمیشہ کی تھی۔ سارہ اپنے
بھائی کی زندگی کے رنگ دیکھ کر بہت خوش تھی مگر اس
کے اندر بیٹھا پچھتاوے کا ناگ، جب جب اسے ڈستا
، وہ کاؤنسلنگ کروانے ماہر نفسیات کے پاس پہنچ جاتی
تھی.....!

زندگی میں کچھ خسارے، کچھ ڈر، کچھ خوف، ہم
خود پالتے ہیں۔۔۔! چھوٹے معصوم بچے کی طرح
۔۔۔! جو وقت کے ساتھ اتنا بڑا ہوا جاتا ہے کہ جس میں
ہماری خوشیاں، سکون، ہمارے رشتے سب گم ہو کر رہ
جاتے ہیں۔۔۔! یہ سب سے بڑا سچ ہے کہ زندگی میں
کچھ ہی اچھے لوگ ملتے ہیں مگر برے لوگ بہت زیادہ
اور قدم قدم پر ملتے ہیں۔۔۔! امید اور یقین اسے کہتے
ہیں جب ہم کچھ کی قدر کرتے ہیں اور بہت سوں کو نظر
انداز کرنا سیکھ جاتے ہیں۔

☆☆

سلاطین کی صحبت	
ماڈل	حمیرا منزل
میک اپ	روزی بیٹی پالو
ٹوٹی گرائی	موسیٰ وحسا

”نور عین! اکثر ڈر ہی ہمیں ہماری منزل تک
لے جاتے ہیں۔“ عمر ہاشم نے مدہم لہجے میں کہا۔
”وہ کیسے؟“ نور عین نے حیرانی سے پوچھا۔
”نور عین! تم جانتی ہو کہ مجھے اپنی محبت کا
اندازہ کیسے ہوا؟“ عمر ہاشم نے پوچھا تو نور عین نے
نفی میں سر ہلایا۔

”تمہیں کھونے کے ڈر سے، میں نے تمہاری
محبت کی شدت کو محسوس کیا تھا۔ بالکل اسی طرح
نور عین۔۔۔!“

عمر ہاشم کہتے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔ وہ
چلتے ہوئے رک گئی اور سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ ان
دونوں کے پس منظر میں درمیاں سمندر تھا۔ جہاں
سورج ڈوبنے کے لیے دھیرے دھیرے پانی میں اتر
رہا تھا۔

”تم اپنے ایک ترازو میں آزد کا ڈر رکھ لو اور
دوسرے ترازو میں محبت کھونے کا خوف۔۔۔! اب
بتاؤ کس کا پلڑا بھاری ہے؟“

عمر ہاشم نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے
کیے۔ نور عین الجھی ہوئی نگاہوں سے بھی اس کے
چہرے اور کبھی ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔
”محبت کا!“

نور عین نے سر جھکا کر اعتراف کیا تو عمر ہاشم
کے چہرے پر جان دار مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ نور عین
کے سامنے سے ہٹ گیا۔

مگر اس بار چلنے سے پہلے اس نے نور عین کا
ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ نور عین نے ہاتھ نہیں چھڑایا۔
”اب میں نئی پینٹنگ بناؤں گا۔۔۔!“

جس میں تم، میں، سمندر اور ڈوبتا سورج ہوں
گے۔۔۔!“ عمر ہاشم نے مطمئن انداز میں کہا۔
”اور محبت۔۔۔!“ نور عین نے جلدی سے

پوچھا۔

”محبت کے کینوس پر تو ہم چاروں بنیں گے
نور عین۔۔۔!“ عمر ہاشم نے محبت سے کہا تو نور عین
پورے دل سے مسکرا دی۔